عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان
ہفت روزہ

ختم نبوۃ

انٹرنیشنل
جلد نمبر ۱۱ شمارہ نمبر ۳۷
KHATME NUBUWWAT
(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

مسئلہ کشمیر اور فتنہ قادیانیت

مسئلہ کشمیر کیا ہے؟
قادیانیت کشمیر کیسے پہنچی؟
قادیانی کشمیر میں دلچسپی کیوں لیتے ہیں؟
قادیانیوں نے تحریکِ آزادی کشمیر کو ناکام کرنے کیلئے کیا کیا؟
قادیانیوں نے ۶۵ء کی جنگ میں کیا کردار ادا کیا؟
قادیانی موجودہ جہادِ کشمیر کو ناکام کرنے کیلئے کیا کر رہے ہیں؟

ان تمام سوالات کے جوابات لیئے ہوئے ایک مدلل تحریر

حضرت مولینا
غلام غوث ہزاروی رح

• سب سے بڑا مرزائی مناظر جنکے دلائل سے لاجواب ہو کر قادیان فرار ہو گیا
• جنکی تقریر سن کر رویتِ ہلال کے مسئلہ پر سعودی حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑا

یورپین معاشرہ اپنی تہذیب و تمدن کے ہاتھوں خود ہی تباہی و بربادی کا شکار ہے۔
ان لوگوں کیلئے بطورِ خاص جو یورپین معاشرہ کے دلدادہ ہیں اور ترقی کیلئے اسکی تقلید

✽ کیا سکھ مذہب اسلام کا فرقہ ہے؟
✽ قادیانیوں اور سکھوں کی دوستی کا پس منظر کیا ہے؟
✽ بھارتی حکومت قادیانیوں پر مہربان کیوں ہے؟
عالمی مجلس کے مرکزی ناظم نشر و اشاعت
صاحبزادہ طارق محمود

یہ معجزہ ہے مرے کالی کملی والےؐ کا
کہ مشکلات سے مجلس ہوئی عہدہ برا

شاعر ختم نبوت الحاج سید امین گیلانی

یہ نظم عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی کامیابیوں پر ارتجالاً کہی گئی ہے

یہ معجزہ ہے مرے کالی کملی والےؐ کا
کہ مشکلات سے مجلس (۱) ہوئی جو عہدہ برا

وہ جو پہلے تھا انگارہ جل کے ہوگیا راکھ
اڑے گی خاک بھی اس کی چلی جو تیز ہوا

مسیحیوں کا سہارا نہ لے ارے بدبخت
منافقوں کی طرح اپنے آپ کو نہ چھپا

ہمارے غصے کی آگ اس کو راکھ کردے گی
جو تونے رکھی ہے چولھے پہ کاٹھ کی ہنڈیا

ہمیں ستا کے رہے چین سے تو ناممکن
تو عمر بھر یونہی کرتا رہے گا واویلا

ہزار پشت پناہی کریں یہود وہنود
ترے وجود کو نابود کرکے دم لوں گا

ہمارے ملک میں تو ہے فرنگیوں کا اجیر
وطن کے ماتھے پہ تو ہے کلنک کا ٹیکا

وہی کے گا سمجھایا گیا ہے جو تجھ کو
کہ جس کو پالا ہے دشمن نے تو ہے وہ طوطا

کچل کے رکھ دوں تجھے مجھ کو حق پہنچتا ہے
کہ تیرا نیش ہے عقرب کی طرح زہریلا

تجھے بھی کہتے ہیں ملعون اس لئے مومن
ذرا بھی شک نہیں شیطان کا ہے تو چیلا

ادھیڑ دیگا تری کھال امین اے دجال
کہ اس کے ہاتھ میں حب نبیؐ کا ہے سانٹا (۲)

---

(۱) عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

(۲) عوام جسے چھانٹا کہتے ہیں مارنے کا چابک

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوت

KHATME NUBUWWAT
(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

مدیر مسئول عبدالرحمٰن باوا

جلد: 11 | ۲۶ر شعبان تا ۳ر رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر تا ۲۵ر فروری ۱۹۹۳ء | شمارہ: ۳۷

اس شمارے میں

۱۔ نعت رسول مقبولؐ ۔۔۔۔ ۲
۲۔ قرآن و حدیث ۔۔۔۔ ۴
۳۔ اداریہ ۔۔۔۔ ۵
۴۔ تقویٰ ۔۔۔۔ ۷
۵۔ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فائدے ۔۔۔۔ ۸
۶۔ مغربی ممالک میں مسلمانوں کی نئی نسل ۔۔۔۔ ۹
۷۔ قرآن ایک ابدی حقیقت ۔۔۔۔ ۱۰
۸۔ مومن کامل کے اوصاف ۔۔۔۔ ۱۱
۹۔ کیا آپ نے سنا ہے! ۔۔۔۔ ۱۲
۱۰۔ قادیانیوں کا سالانہ جلسہ ۔۔۔۔ ۱۳
۱۱۔ پریس کانفرنس ۔۔۔۔ ۱۹
۱۲۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ ۔۔۔۔ ۲۲
۱۳۔ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ۔۔۔۔ ۲۳

سرپرست

شیخ المشائخ حضرت مولانا
خان محمد صاحب مدظلہ
خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نگران اعلیٰ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

معاون مدیر

مولانا منظور احمد الحسینی

سرکولیشن منیجر

محمد انور

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

رابطہ دفتر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی ۳۲۰۰ پاکستان
فون نمبر: 7780337

LONDON OFFICE:
35 STOCKWELL GREEN
LONDON SW9 9HZ U.K.
PHONE: 071-737-8199.

چندہ اندرون ملک

سالانہ	۱۵۰ روپے
ششماہی	۷۵ روپے
سہ ماہی	۴۵ روپے
فی پرچہ	۳ روپے

چندہ بیرون ملک

غیر ممالک سالانہ بذریعہ ڈاک ۴۵ ڈالر
چیک / ڈرافٹ بنام ہفت روزہ ختم نبوت
الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ
اکاؤنٹ نمبر ۳۰۰۰ کراچی پاکستان روانہ کریں

ایڈیٹر و پبلشر: عبدالرحمٰن باوا ـــ طابع: سید شاہد حسن ـــ مطبع: القادر پرنٹنگ پریس ـــ مقام اشاعت: ۱۰۳ جوبلی لائن کراچی

ارشادِ باری تعالیٰ — جلّ جلالہٗ

جزا و سزا

ترجمہ :۔ پرہیزگار لوگ سایوں میں اور چشموں میں اور مرغوب میوؤں میں ہوں گے ۔ اپنے اعمال کے صلہ میں خوب مزہ سے کھاؤ پیو ۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں ۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ۔ تم تھوڑے دن اور کھالو برت لو تم بے شک مجرم ہو ۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جھکو تو نہیں جھکتے ۔ اس روز جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی ۔ تو پھر اس کے بعد اور کون سی بات پر ایمان لاویں گے ۔

(پ ۲۹ ۔ مرسلات ۴۱ تا ۵۰)

فرمانِ خاتم النبیین — صلی اللہ علیہ وسلم

ایمان کے شعبے

ترجمہ :۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی ستر سے بھی کچھ اوپر شاخیں ہیں ' ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل تو "لا الہ الا اللہ" کا قائل ہونا ' یعنی توحید کی شہادت دینا ہے ' اور ان میں ادنیٰ درجے کی چیز اذیت اور تکلیف دینے والی چیزوں کا راستے سے ہٹانا ہے ' اور حیا ایمان کی ایک اہم شاخ ہے " ۔

(بخاری و مسلم)

پچیدہ پچیدہ

قادیان اور مرزا غلام احمد

بعض دفعہ مکین کے چلن سے مکان بھی رسوا ہو جاتا ہے پھر اس کی صفائی پر صدیاں گذر جاتی ہیں ۔ مرزا غلام احمد ' اس کی جسمانی اور روحانی اولاد نے اپنے اخلاق ' مذہب اور سیاسی کردار سے زمین قادیان کو بھی ناپاک کر دیا ہے ' ورنہ زمین خالق کائنات کا بچھایا ہوا دامن ہے جس پر اس کی مخلوق آباد ہے ۔ یہ دامن انسانوں کے لئے نہ تنگ ہو سکتا ہے ' نہ داغدار ۔

قادیان ضلع گورداسپور کا معروف قصبہ دریائے بیاس کے کنارے واقع ہے ۔ شہنشاہ بابر جب ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کی فوج میں ہادی بیگ نام کا ایک سپاہی تھا ۔ مغل حکومت نے اس کے لڑکے کو بیاس کے علاقہ میں قاضی مقرر کیا تو اس نے یہاں قاضیاں کے نام سے ایک بستی آباد کی جو بعد میں قادیان کے نام سے معروف ہوئی ۔ مرزا غلام احمد اسی بستی کا وہ سنگ تھا جس نے آگے چل کر اسلام کے قلعے کو گرانے میں عیسائی حکومت سے بھرپور تعاون کیا ۔ (کاروان احرار ص ۴۳۲ ۔ جلد ۱)

"زباں بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا"

وفاقی وزیر سردار آصف کو پٹہ ڈالئے

وفاقی وزیر سردار آصف احمد علی آج کل "زبان بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا" کے مصداق بنے ہوئے ہیں۔ ان کے بیانات کی توپوں کا رخ علماء کرام کی طرف ہے۔ وہ جو منہ میں آتا ہے بکتے چلے جاتے ہیں۔ سود کا مسئلہ ہو یا کوئی اور خلاف شریعت مسئلہ علماء حق کا فرض ہے کہ وہ بچی بات کہیں۔ آج کے اس گئے گذرے دور میں علماء کرام اپنا یہ فرض ادا کر رہے ہیں اور بقول شاعر۔

وہ توپوں کے دہانوں پر بھی بچی بات کہتے ہیں
کبھی بھولے سے بھی انجام کی سوچا نہیں کرتے

علماء حق کی یہی خصوصیت ہے کہ ان کے سامنے خواہ کوئی وزیر ہو یا مشیر وہ اسے جوتے کی نوک پر رکھتے اور کلمہ حق بلند کرتے ہیں۔ مذکورہ وزیر نے علماء کرام کے بارے میں جو نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان کا علماء کرام اور مذہبی و سیاسی جماعتوں نے ہی سخت نوٹس نہیں لیا بلکہ دو وفاقی وزراء جناب مولانا عبدالستار خان نیازی اور صدر ضیاء الحق شہید کے صاحبزادے جناب اعجاز الحق صاحب نے بھی گرفت کی ہے اور انہوں نے اس منہ پھٹ وزیر کی زبان بند کرنے اور بیانات کا نوٹس لینے کا مطالبہ کیا ہے۔

وفاقی وزیر مولانا عبدالستار خان نیازی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سردار آصف احمد علی منکر حدیث یعنی پرویزی ہیں اور پرویزیوں کے متعلق ایک ہزار علماء امت کا چھپا ہوا متفقہ فتویٰ موجود ہے کہ منکر حدیث خواہ وہ پرویزی ہو یا چکڑالوی کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اگر مذکورہ وزیر صاحب واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کے منکر ہیں تو پھر بلاشک و شبہ وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں کیونکہ حدیث کا انکار قرآن پاک کا انکار ہے اور جو قرآن و حدیث دونوں ہی کا منکر ہوا اسے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتبار نہیں۔

علماء کرام کے بارے میں جو نازیبا الفاظ اپنے بیانات میں وفاقی وزیر استعمال کر رہے ہیں وہ زبان کوئی ملحد' بے دین یا مرزائی اور پرویزی ہی استعمال کر سکتا ہے۔ کوئی صحیح الفکر مسلمان استعمال نہیں کر سکتا۔ وزارت آنی جانی چیز ہے جو آج ہے کل نہیں لیکن علم ایسی دولت ہے جسے چوری بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علماء کرام کے بارے میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ۔

"میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔"

اس لئے علماء حق کے خلاف مذکورہ وفاقی وزیر جو بیانات دے رہے ہیں صدر غلام اسحاق خان اور وزیر اعظم جناب میاں نواز شریف صاحب کو ان کا سختی سے نوٹس لینا چاہئے۔ بلکہ ایسے بدزبان اور دریدہ دہن وزیر کو کرسی پر رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ سردار آصف احمد علی بھی اپنی سرداری اور وزارت کے گھمنڈ میں نہ رہیں اگر وہ واقعی منکر حدیث ہیں تو پھر انہیں مرزائی وزیر خارجہ ظفر اللہ چودھری کے عبرت ناک انجام کو سامنے رکھنا چاہئے۔ ظفر اللہ جو عالمی استعمار کا مہرہ تھا پاکستان کے غیور عوام نے اسے کرسی سے ہٹنے پر مجبور کر دیا تو اس کی وزارت عوام کی صرف ایک ٹھوکر کی تاب بھی نہیں لا سکے گی۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ مذکورہ وزیر کو برطرف کیا جائے۔ یہ دھوکے سے مسلمان بن کر وزارت تک پہنچا ہے۔ اس لئے ایسے مبینہ منکر حدیث اور منہ پھٹ کو وزارت پر رہنے یا رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

آزاد کشمیر اسمبلی کا مستحسن اقدام

ہماری اسمبلیوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ جب اسمبلی کا رکن اپنی سیٹ پر بیٹھنے لگتا ہے تو اسپیکر کے سامنے جسم کا تھوڑا سا حصہ اور سر جھکا لیتا ہے۔ یہ خلاف اسلام ہے کیونکہ بقول شاعر۔

ہو جس پہ عبادت کا دھوکہ مخلوق کی وہ تعظیم نہ کر   یہ خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

جب اسمبلی کا ممبر جھکتا ہے تو حقیقتاً یوں ہی محسوس ہوتا ہے کہ کرسی پر اسپیکر نہیں خدا بیٹھا ہے۔ ہم نے مجاہد ملت بطل حریت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی" کو اکثر دیکھا کہ وہ اسمبلی میں داخل ہوتے وقت گردن کو مزید اونچا کر لیا کرتے تھے اور جب بیٹھتے تھے تو منہ پھیر لیتے تھے۔ خیال ہے کہ مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب" بھی ایسا کرتے ہوں گے کیونکہ ہم نے انہیں اسمبلی میں داخل ہوتے اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ بہرحال یہ انگریزی یا ہندوانہ رسم تو ہو سکتی ہے' اسلامی نہیں۔

مقام مسرت ہے کہ آزاد کشمیر اسمبلی نے یہ رسم ختم کر دی ہے اور السلام علیکم کہنے کا آرڈر پاس کیا ہے۔ ہم آزاد کشمیر اسمبلی اور وہاں کی حکومت کو انگریزی یا ہندوانہ رسم ختم کرنے اور سلام کا طریقہ جاری کرنے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ ہماری حکومت پاکستان سے گذارش ہے کہ وہ آزاد کشمیر اسمبلی کی تقلید کرے اور کورنش کی رسم ختم کرکے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت "السلام علیکم" کہنے کا آرڈر جاری کرے۔

صوفی محمد علی کا سانحہ ارتحال

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر کاروان بخاری" کے دیرینہ خادم' تحریک آزادی کے فعال ورکر صوفی محمد علی انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون○

مرحوم عرصہ دراز سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مقامی یونٹ کے امیر چلے آرہے تھے۔ تحریک ہائے ختم نبوت میں سردھڑ کی بازی لگائی۔ لودھراں میں قادیانیت کا ناسور جہاں بھی پھلتا پھولتا مرحوم اسے جڑ سے کاٹنے کی فکر میں لگ جاتے۔ اگرچہ عالم نہیں تھے۔ لیکن دینی غیرت میں کسی عالم سے کم بھی نہیں تھے۔ دولت مند نہ ہونے کے باوجود اپنی پونجی بلکہ تن من دھن عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے وقف کئے رکھا۔ لودھراں ضلع میں جہاں کہیں قادیانیوں نے اپنے روایتی دجل و فریب سے بھرپور ہتھکنڈوں کو استعمال کیا۔ مرحوم خم ٹھونک کر میدان عمل میں اتر پڑے جب تک متعلقہ مسئلہ میں کامیابی اور قادیانیوں کو پسپائی نہ ہوئی خاموش نہ ہوئے۔ نیز آپ کے اخلاق و کردار اور دینی خدمات کی وجہ سے جنازہ میں ہزاروں افراد نے شرکت کی۔ آہوں اور سسکیوں سے قابل احترام دینی و سماجی ورکر کو لحد میں اتارا گیا۔ تحریک ختم نبوت' کے سلسلہ میں مولانا محمد موسیٰ' نور محمد مجاہد' خواجہ عبدالحمید بٹ آف قادیان گویا آپ کی شوریٰ تھی۔ جو پورے علاقہ کو کنٹرول کرتی تھی۔

جہاں مرحوم کے فرزندان عبدالعزیز عاقل' عبدالمجید ندیم لائق تعزیت ہیں۔ وہاں مذکورہ بالا جماعتی رفقاء بھی تعزیت کے مستحق ہیں۔ خداوند قدوس مرحوم کی نیکیوں کو قبول فرمائیں اور لغزشوں سے درگذر فرمائیں۔

ادارہ ختم نبوت' دعا گو ہے کہ پروردگار عالم موصوف کو تاجدار ختم نبوت کی نگہبانی کے صلہ میں کروٹ کروٹ جنت الفردوس سے نوازیں۔ نیز ادارہ ختم نبوت مرحوم کے صاحبزادوں عبدالعزیز عاقل' عبدالمجید ندیم کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

مجلس کے مرکزی رہنماؤں کا اظہار تعزیت

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنماؤں شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمد' حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی' مولانا عبدالرحیم اشعر' مولانا عزیز الرحمان جالندھری' مولانا اللہ وسایا' صاحبزادہ طارق محمود' مولانا بشیر احمد' مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی' مولانا منظور احمد الحسینی کراچی' مولانا محمد انور فاروقی' حافظ محمد حنیف ندیم' محمد انور رانا نے ایک مشترکہ بیان میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت لودھراں کے امیر جناب صوفی محمد علی کی وفات حسرت آیات پر دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انہیں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں عظیم تنظیمی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا۔ مرکزی قائدین نے کہا کہ موصوف کی زندگی دعوت و عمل کا مجموعہ تھی۔ ختم نبوت کی تحریک کے لئے اپنی جان و مال کو وقف کئے رکھا۔ آنجناب کا کردار جماعتی رفقاء کے لئے قابل تقلید نمونہ ہے۔ انہوں نے دعا کی کہ اللہ پاک مرحوم کی نیکیوں کو ان کے لئے صدقہ جاریہ بنائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام میں شامل فرمائیں۔

نیز مجلس کے رہنماؤں نے جناب عبدالعزیز عاقل' عبدالمجید ندیم' مولانا محمد موسیٰ' نور محمد مجاہد' خواجہ عبدالحمید بٹ سے قلبی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے صبر جمیل کی دعا کی ہے۔

دنیا و آخرت میں کامیابی و سرخروئی کا واحد راستہ

تقویٰ

مولانا عبداللطیف مسعود

ترجمہ: اور یقیناً "ہم نے ان لوگوں کو حکم دیا جنہیں تم سے پہلے کتاب ملی (یہود و نصاریٰ) اور تمہیں بھی دیا کہ تم اللہ سے ڈرتے رہنا۔

(الاحزاب ۷۰، ۷۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور صحیح بات کہو۔ تو وہ تمہارے اعمال و کردار درست کردے گا اور تمہاری کوتاہیوں کو معاف فرمادے گا اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اختیار کرلے تو یقیناً" اس نے بہت بڑی کامیابی پالی۔

تشریح: ان آیات کا مرکزی مضمون اور عنوان تقویٰ ہے جسے پہلی آیت میں ایمان و توحید کی طرح ایک بنیادی اور مرکزی امر قرار دیا گیا ہے۔

عربی زبان میں لفظ تقویٰ کا معنی تحفظ' احتیاط اور بچاؤ اور فارسی میں پرہیز ہے۔ یعنی نظریاتی' فکری اور عملی سطح پر ہر نقصان دہ اور منفی امور سے احتیاط اور پرہیز کرنا۔ دوسرے لفظوں میں خدا اور رسول ﷺ کی ہر نہی سے بچنا۔

قرآن مجید اور ارشادات نبویہ' میں تقویٰ کو دین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ قانون اور احکامات کی تعمیل' احتیاط اور پابندی کے بغیر محال اور ناممکن ہے۔

قرآنی رو سے تقویٰ کی تین قسمیں یا درجے ہیں۔

۱۔ وہ استعداد اور کیفیت جو قلب انسانی میں ایمان باللہ سے حاصل ہوتی ہے کہ انسان خدا کو اپنا خالق' مالک' مربی اور مستحق عبادت سمجھے۔ یہ کیفیت ایک بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر یہ کیفیت درست ہو تو انسان کے تمام جذبات و احساسات اور اعمال و افعال' پاکیزہ اور صحیح ہوں گے۔ اگر قلب ہی خوف خدا سے محروم اور خالی ہو تو پھر یہ تمام امور غیر صحیح اور تشتت و انتشار کا شکار ہوں گے ان میں کوئی ضابطہ اور نظم نہ ہوگا۔

چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ۔

ترجمہ: یعنی اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی کا تقویٰ اختیار کرو اور میری پیروی کرو (۷۱:۳)

دوسری جگہ فرمایا۔

ترجمہ: اور میں ہی تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (۲۳:۵۲)

یہ پہلا درجہ اور قسم نظر و فکر کا تقویٰ اور احتیاط ہے اسی کے متعلق معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ (سینہ اطہر کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے)

۲۔ دوسرا درجہ اور قسم اعمال و افعال میں تقویٰ اور احتیاط ہے۔

مندرجہ بالا قلبی کیفیت اور ملکہ جب جاندار اور مضبوط ہوجائے تو پھر اس کے اثرات انسان کے جذبات اور اعمال و افعال میں ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر وہ انسان ہر برے اور منفی جذبے مثل کذب' حسد و بغض' عداوت و کینہ' دھوکہ' مکرو فریب وغیرہ سے اجتناب اور پرہیز کرے گا چنانچہ مندرجہ بالا آیات (الاحزاب ۷۰، ۷۱) اسی حقیقت کو بیان کررہی ہے کہ اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس تقویٰ کے زیر سایہ اور اثر اندازی کے تحت اپنی بات چیت اور گفتگو بالکل پاکیزہ اور درست رکھو۔ یعنی کفر و شرک' جھوٹ غیبت' گالی گلوچ' طعنہ بازی اور الزام تراشی اور فضول گوئی وغیرہ سے محتاط رہو۔ پھر جب تم نے خدا خوفی کے تحت اپنی زبان و قلب پر قابو پالیا تو اس کے صلے اور نتیجہ میں خدا تمہارے تمام اعمال و افعال متعلقہ معاملات و معاشرتی اور آداب و اخلاق کی اصلاح فرمادیں گے اور اگر اس دوران تم سے کوئی نادانستہ یا غفلت و نادانی سے کوتاہی اور تقصیر ہوگئی تو وہ اس تقویٰ اور پرہیزگاری کی برکت سے معاف اور نظر اندازی فرمادیں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں خوفی اور نیک اعمال کے صلہ میں گناہوں کی معافی کا تذکرہ کئی جگہ آیا ہے۔

جیسے فرمایا۔

ترجمہ: اور جو کوئی ڈرتا رہے اللہ سے تو وہ اس کی برائیاں دور کرے گا اور اسے بڑا اجر عطا فرمائے گا۔ (الطلاق ۵)

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تم میں فیصلہ کردے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کردے گا۔

(الانفال ۲۹)

اور اصل بات یہ ہے کہ جو کوئی خوف خدا کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی (جو کہ درحقیقت اسی کی اطاعت ہے کیونکہ وہ خدا ہی کے احکام بتلاتے ہیں) اطاعت شعاری اختیار کرتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں اپنے مقصد حیات کو پاکر اس میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

عبادات کی غرض و غایت

خداوند قدوس نے تمام عبادات (نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ) کی غرض و غایت اور مقصود ادائیگی عبودیت کے علاوہ یہ لکھا ہے کہ ان کے ذریعہ اس قلبی تصور (خدا خوفی اور جذبہ اطاعت اور وفاداری) کو اتنا قوی اور موثر کردیا جائے کہ انسان کے بقیہ اعمال و افعال اور معاملات اس کے نور سے منور ہوجائیں۔ گویا ان عبادات سے قلب انسانی میں جذبہ عبودیت اور تقویٰ کی چاشنی ہوتی ہے جس سے اس کی زندگی کے تمام پہلو اور گوشے جگمگا اٹھتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا **ان اعبدوا اللہ واتقوہ** گویا عبادت اور تقویٰ میں علاقہ سببیت ہے۔

روزہ کی غرض و غایت بھی یہی بیان فرمائی کہ۔

ترجمہ: تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (۲:۱۸۳)

دوسرے مقام پر کلی اور جامع طور پر اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا کہ۔

ترجمہ: پس اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کے زیر اثر) اس کے احکام سنو اور ان کی خوشدلی اور جذبہ فدویت سے تعمیل میں لگ جاؤ (اور تقویٰ کی مزید تکمیل کے لئے اپنے جسم و جان کے علاوہ اپنا مال بھی' زکوٰۃ' صدقہ و خیرات اور صلہ رحمی کی صورت میں) خرچ کرو یہ تمہارے لئے انتہائی مفید ہے۔ (۶۴:۱۶)

تقویٰ ہی تمام زندگی کا محور اور ہدف ہونا چاہئے۔

ارشاد باری ہے کہ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف فرمانبرداری ہی کی حالت میں آئے یعنی تمہاری تمام زندگی اطاعت و فرمانبرداری سے (جو کہ ثمرہ تقویٰ ہے) لبریز اور معمور ہونی چاہئے۔ (۳:۱۰۲)

گویا تقویٰ کو مرکز و منبع اور ایک موثر بنیاد قرار دے کر تمام احکام کی طرف متوجہ ہونے اور انہیں اعلیٰ انداز سے اپنانے کا حکم فرمایا جارہا ہے۔ نیز صحیح تقویٰ کو ہی ان تمام امور کے اپنانے کے لئے ممد و معاون قرار دیا جارہا ہے۔

یہ دوسرا درجہ اعمال و افعال میں احتیاط و پرہیز کا ہے۔

تقویٰ کا تیسرا اور آخری درجہ

یہ ہے کہ اس جذبہ تحفظ و احتیاط کو مزید فعال اور موثر بنانے کے لئے۔ عمدہ نظریات' صالح اعمال و افعال کے بہترین انجام و نتیجہ سے آگاہ کیا جارہا ہے اور خلاف تقویٰ و احتیاط'

غلط نظریات اور برے اعمال و افعال کے برے انجام سے ڈرایا اور آگاہ کیا جا رہا ہے تاکہ انسان کے ذہن و قلب میں ایک ایسے مضبوط اور صحیح ہدف کا جاندار تصور جاگزین اور راسخ ہو جائے کہ جس کے نتیجہ میں اس کی وقتی زندگی بامقصد اور اخروی حیات دائمی سے مربوط ہو جائے۔

اس تیسرے درجے کے تقویٰ کو نہایت نمایاں اور اہم انداز میں بیان فرمایا گیا ہے تاکہ انسان کے ذہن میں مقصد حیات کی غرض و غایت مرتسم ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حصول کی اہمیت بھی واضح ہو جائے۔ جس پر وہ اپنی تمام فکری اور عملی جدوجہد کو صرف اسی کے حصول کے لئے وقف کر دے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید میں خاصی تعداد میں آیات پائی جاتی ہیں۔

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرتے رہو کہ جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ نہ کسی سے سفارش قبول ہوگی اور نہ کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ ہی کسی طرح کی مدد ہوگی۔ (البقرہ ۴۸٬۱۲۳)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس دن تم خدا کے حضور پیش کیے جاؤ گے۔ پھر ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کچھ بھی زیادتی نہ ہوگی۔ (۲۸۱)

مزید دیکھئے آیت ۱۸۳٬۲۰۳٬۲۵۴ وغیرہ

تقویٰ کی از روئے کیفیت ایک اور درجہ

بندگی

۱۔ ابتدائی درجہ۔ جس میں انسان کفر و شرک اور بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز اور احتیاط کرے۔

۲۔ درمیانی درجہ۔ جس میں انسان ہر قسم کے صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرے۔

۳۔ تیسرا درجہ۔ وہ مقام رفیع ہے جس کو تقویٰ سے تعبیر فرمایا اور جسے امام المتقین معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ما الاحسان کے جواب میں بیان فرمایا۔ یعنی احسان یہ ہے کہ خدا کی عبادت اور اطاعت اس انداز سے کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ جس خوش نصیب کو یہ مقام حاصل ہو جائے تو اس کی تمام فکری و عملی قوتیں صراط مستقیم پر اکمل ترین صورت میں گامزن ہو جاتی ہیں۔ وہ غیر کی اطاعات تو کجا اب کے تصور و وہم سے بھی خالی ہوگا۔ یہی وہ مقام فنا اور ایمان کامل ہے جس کے متعلق فرمایا کہ۔ لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اور احساسات میری پیش کردہ تعلیمات کے مطابق نہ ہو جائیں اور اسی درجے کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے یعنی اس کی کوئی بھی حس و حرکت میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتی۔ سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۹۳ ان تینوں درجات کی مکمل ترجمانی کر رہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دین اسلام کا ایک زریں اصول ترغیب و ترھیب۔

وہ یہ کہ خداوند قدوس نے انسان کو اپنی بندگی اور اطاعت پر آمادہ کرنے کے لئے اپنے احسانات یاد کراتا ہے اپنے احکام پر عمل کا بہترین نتیجہ اور انعام کا وعدہ فرماتا ہے اپنی خوشنودی اور دائمی جنت کا وعدہ کر کے رغبت دلاتا ہے اور دوسری طرف بغاوت اور نافرمانی کی صورت میں برے انجام اور دائمی جہنم سے آگاہ کرتا ہے یہ اصول آپ کو ہر حکم میں واضح طور پر ملے گا۔ یہ اس لئے تاکہ انسان بظاہر ہر مشکل حکم کی تعمیل پر بھی آسانی سے آمادہ ہو جائے اور خدا کی بغاوت اور نافرمانی سے کنارہ کشی اختیار کرلے۔

اس عنوان کے تحت دونوں طرح کی بکثرت آیات آئی ہیں۔

۱۔ جیسے فرمایا۔ انا ربکم فاتقون یعنی میں ہی تمہارا محسن اور منعم حقیقی ہوں۔ تمہاری تربیت و ترقی کے تمام اسباب و وسائل کا خالق۔ مالک اور فراہم کرنے والا میں ہی ہوں۔ لہٰذا مجھ ہی سے ڈرنے کا جذبہ پیدا کرو۔ دوسری جگہ فرمایا۔ یعنی یقیناً "اللہ ڈرنے والوں کو ہی چاہتا ہے۔ (۷۶)

۲۔ دوسری طرف تنبیہ کی صورت میں فرمایا۔

ترجمہ: یہ (عذاب) اللہ اس سے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو مجھ ہی سے ڈرو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔ (۳۵)

ترجمہ: اور اللہ اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ (۲۹۳)

غرضیکہ ان دونوں شقوں (ترغیب و ترھیب) کے متعلق بیسیوں آیات قرآنیہ انسانی رہنمائی کا سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔

طریقہ ترغیب و ترھیب کی مزید وجوہات

۱۔ انسانی فطری طور پر حصول نفع کا حریص اور ضرر سے بچنے کا خواہشمند ہے۔ انسانی زندگی کی تمام جدوجہد اپنی دو امور کے گرد گھومتی تو اللہ نے اسی جذبہ کے تحت حصول نفع کے لئے ترغیب اور دفع ضرر کے لئے ترھیب اور تنبیہ کو استعمال کر کے فطرت انسانی کی بہترین رہنمائی فرمائی ہے۔

۲۔ اسی فطری جذبہ کے تحت ایک انسان دوسرے کی فرمانبرداری یا تو حصول فائدہ کے لئے اختیار کرے گا یا اس کی ایذا رسانی سے بچنے کے لئے لہٰذا مالک حقیقی نے اطاعت و احتیاط روش اختیار کرنے پر تمام فوائد کا وعدہ فرمایا اور بغاوت و سرکشی کی صورت میں تمام مشکلات اور مصائب کے آنے کی تنبیہانہ اطلاع دے دی تاکہ انسان اطاعت و فرمانبرداری کی روش اختیار کر کے فوائد حاصل کرے اور بغاوت و سرکشی سے پرہیز کر کے مصائب و آلام اور ناکامی سے محفوظ رہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے تمام احکامات کو موثر بنانے اور ان کی تعمیل کرانے کے لئے تقویٰ روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے بندہ حقیر نے اس مختصری تحریر میں ایک ایسا ضابطہ مدنظر رکھا ہے کہ جس کے تحت اس مضمون کی تقریباً "ڈھائی صد آیات قرآنیہ باہم مربوط و منضبط ہو جائیں۔ آخر میں مالک حقیقی سے صمیم قلب سے استدعا ہے کہ وہ مجھے اور تمام بندوں کو حقیقی تقویٰ کی دولت سے بہرہ ور فرما کر سعادت دارین سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے فائدے

محمد طاہر۔ عارف والا

زندگی بہرحال ختم ہونے والی چیز ہے اور مرنے کے بعد وہی کام آتا ہے جو اپنی زندگی میں آدمی کر دے زندگی کے ان لمحات کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور جو چیز ذخیرہ ہو سکتی ہے۔ اس میں کسر نہ چھوڑنی چاہئے اور بہترین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔ حدیث نبوی ہے .... "جو شخص مصیبت زدہ عورتوں کی مدد کرتا ہے یا غریب کی مدد کرتا ہے وہ ایسا ہے جیسا کہ جہاد میں کوشش کرنے والا ہو اور غالباً" یہ بھی فرمایا کہ اور وہ ایسا ہے جیسا کہ تمام رات نفلیں پڑھنے والا ہو کہ ذرا بھی سستی نہیں کرتا اور وہ ایسا ہے کہ جیسا کہ ہمیشہ روزہ رکھتا ہو یا کبھی افطار نہ کرتا ہو"۔ (مشکوٰۃ)

نبی کریم کی صرف یہ ایک ہی حدیث فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی دلالت کے لئے کافی ہے۔ اللہ پاک کے پاک کلام اور اس کے سچے رسول سید البشرؐ کے ارشادات میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے فضائل اتنے کثرت سے وارد ہیں کہ حد نہیں۔ ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز ہی نہیں۔ یہ پیدا ہی اس لئے ہوا ہے کہ اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے جتنی کثرت سے اس مسئلہ پر ارشادات ہیں ان کا دسواں بیسواں حصہ بھی جمع کرنا مشکل ہوتا ہے۔

نمونہ کے طور پر چند آیات کا ترجمہ اور چند احادیث پیش کرتا ہوں۔

"یہ کتاب (قرآن مجید) راستہ بتانے والی ہے۔ خدا سے ڈرنے والوں کو جو یقین کرتے ہیں غیب کی چیزوں پر اور قائم کرتے ہوئے نماز اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا اس میں

باقی صفحہ ۳۴ پر

مولانا زاہد الراشدی

مغربی ممالک میں مسلمانوں کی نئی نسل کا مستقبل اور مسلم دانشوروں کی ذمہ داری

پاکستان کے ممتاز ماہر تعلیم اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے چیئرمین پروفیسر پری شان خٹک نے گزشتہ دنوں لندن کے جنگ فورم میں اظہار خیال کرتے ہوئے برطانیہ میں مقیم پاکستانیوں کی نئی نسل کے بارے میں کہا تھا کہ:

"مجھے یہاں کی نئی نسل سے مل کر بڑی مایوسی ہوئی ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ مجھے یہاں ان کی بگڑتی ہوئی مشرقی روایات کو دیکھنے کے کچھ تلخ تجربے ہوئے ہیں تو نظم میں میرے ایک عزیز نے اپنے بچے سے میرا تعارف کرایا تو اس نے بڑے اکھڑے انداز میں کہا "ہیلو پری شان" اس طرح ایک اور دوست کے بیٹے نے کہا "ہیلو پروفیسر"..... "ہوود پروفیسر" ایسے اور بہت سے واقعات سے میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ جو نسل اپنے سے بڑوں کو چچا ماموں یا ہیلو انکل کہنے کے آداب بھول رہی ہے جو کہ ہماری مشرقی روایات کی بنیاد ہے تو اس نسل سے اپنے سے اور اپنے وطن سے جڑا رہنے کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔ یہاں میں جتنا عرصہ بھی رہتا ہوں میرے کان "ہیلو انکل" سننے کو ترس جاتے ہیں"۔ (روزنامہ جنگ لندن ۳ر ستمبر ۹۳ء)

نئی نسل کے بارے میں اس قسم کے خیالات کا اظہار اکثر ہماری مجالس میں ہوتا رہتا ہے اور ہمیں یہ شکایت رہتی ہے کہ مغربی ممالک میں مقیم ہماری نئی نسل مشرقی روایات' اسلامی اقدار اور پاکستانی تہذیب سے بے گانہ ہوتی جا رہی ہے شکوہ بجا مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس میں نئی نسل کا قصور کیا ہے؟ اور اسے کوسنے میں ہم کس حد تک حق بجانب ہیں؟! اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ اس صورت حال کا ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ جائزہ لیا جائے اس کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے مستقبل کی ضروریات کی نشاندہی کی جائے اور پھر نئی نسل کو اس رخ پر لانے کے لئے جسے ہم ضروری سمجھتے ہیں منظم منصوبہ بندی کی جائے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ محدود سوچ کو ذہن میں رکھ کر اس کے مطابق ایک رخ پر چل پڑتے ہیں اور جب اس سوچ کا دائرہ ختم ہونے پر اس سے آگے کا ماحول اجنبی نظر آنے لگتا ہے تو ذہنی الجھن کا شکار ہو جاتے ہیں اور کسی نہ کسی کو شکوہ و شکایت کا ہدف بنا کر نفسیاتی تسکین کا مصنوعی ماحول پیدا کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ مشرقی ممالک بالخصوص اسلامی ممالک سے ترک وطن کر کے مغربی ممالک میں آباد ہونے والوں کا اصل ہدف کیا ہے؟ اگر تو مقصد صرف یہ ہے کہ یہاں سے کمائی کر کے پھر واپس اپنے اپنے وطن چلے جانا ہے اور مغربی ممالک میں قیام کی نوعیت عارضی ہے تو ہماری پالیسیوں اور معاشرتی روایات و اقدار کو اس کے دائرہ میں رہنا چاہئے اور اگر ہمارا واپسی کا کوئی پروگرام نہیں ہے یا حالات نے ہمیں یہیں رہنے پر مجبور کر دیا ہے اور ہماری آئندہ نسلوں نے انہی ممالک میں بسنا ہے تو پھر اپنی تعلیمی و معاشرتی ضروریات کا تعین ہمیں اسی وسیع تناظر میں کرنا ہوگا ورنہ نئی نسل کے ساتھ ہم قطعی طور پر انصاف نہیں کر سکیں گے۔

مثال کے طور پر ایک بات کا حوالہ دینا مناسب خیال کرتا ہوں برطانیہ میں ان دنوں برصغیر پاک و ہند' بنگلہ دیش کی طرز کے دینی مدارس کے قیام کا رجحان بڑھ رہا ہے جو خوش آئند ہے بعض دار العلوم' جامعات اعلیٰ سطح پر قائم ہو رہے ہیں۔ مجھے ایک بڑے جامعہ کے بانی و مہتمم صاحب نے فرمایا کہ آپ نصاب تعلیم کے بارے میں ہمیں مشورہ دیں میں نے عرض کیا کہ نصاب تعلیم کے بارے میں مشورہ بعد میں دوں گا پہلے میرے ساتھ کسی نشست میں یہاں کی دینی ضروریات کے بارے میں تبادلہ خیالات کریں تاکہ اس معاشرہ کی دینی ضروریات کا ایک واضح نقشہ ہمارے سامنے آسکے کیونکہ نصاب تعلیم کی بنیاد ضروریات ہوتی ہے اور اگر ان دونوں کے درمیان تناسب و توازن قائم نہ رہے تو کسی بھی نصاب تعلیم سے گزر کر آنے والی کھیپ معاشرہ میں کسی مفید کردار کی حامل نہیں ہو سکتی لیکن ہمارے ہاں ہو رہا ہے کہ نہ صرف برطانیہ بلکہ پاکستان' بھارت اور بنگلہ دیش میں بھی دینی مدارس اسی نظام و نصاب کے تحت چل رہے ہیں جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد ہمارے اکابر نے محض دینی علوم کی حفاظت اور مشرقی معاشرت کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے اختیار کیا تھا وہ دور غلامی تھا اور اس دور کی ضرورت صرف یہ تھی کہ حملہ آور انگریزوں کی تعلیمی و تہذیبی یلغار سے دینی علوم اور مشرقی معاشرت کو جس حد تک ممکن ہو بچا لیا جائے اور مسلمانوں کو مساجد میں نماز پڑھانے اور قرآن کریم کی تعلیم دینے والے ائمہ اور حفاظ میسر آتے رہیں۔ یہ ایک قسم کی دفاعی جنگ تھی جس میں دینی مدارس کا یہ نظام و نصاب کافی حد تک کامیاب رہا لیکن آزادی کے بعد بالخصوص پاکستان اور بنگلہ دیش میں مقاصد و ضروریات کے دائرے بدل گئے تھے اور اب صرف دینی علوم کی حفاظت نہیں بلکہ ہمارے معاشرہ کو دینی علوم و روایات کے رنگ میں رنگنے کی ذمہ داری ان مدارس پر آپڑی تھی مگر افسوس کی بات ہے کہ ابھی تک ہمارے دینی نظام کے تعلیمی ماہرین اس طرف توجہ نہیں دے سکے اور جو کچھ وہ اپنے محدود وسائل کے باوجود اس ضمن میں بہتر منصوبہ بندی اور ترجیحات کے ذریعے کر سکتے تھے اس کا چوتھائی حصہ بھی دیکھنے میں نہیں آرہا۔

دینی مدارس کے نظام معارف کی بات تو بطور مثال عرض کی گئی ہے اب پھر اسی نکتہ کی طرف آجائیے کہ مغربی ممالک میں مقیم پاکستانیوں کی تعلیمی ضروریات کیا ہیں؟ اس ضمن میں ایک بات ہمیں واضح طور سمجھ لینی چاہئے کہ یہاں سے ہماری واپسی کا کوئی امکان باقی نہیں رہا اور نہ ہی واپسی ان مسائل کا کوئی مثبت حل ہے۔ تین سال قبل واشنگٹن ڈی۔ سی کے ایک اجتماع میں راقم الحروف نے اپنے پاکستانی بھائیوں کو نئی نسل کی اسلام سے بے گانگی اور پھر اس سے اگلی نسل کے دین سے بالکل منحرف ہو جانے کے امکان کی طرف توجہ دلائی تو اجتماع کے بعد ایک دوست نے کہا کہ میں نے آپ کی باتیں سن کر فیصلہ کیا ہے کہ بچوں سمیت بہت جلد وطن واپس چلا جاؤں گا میں نے عرض کیا کہ میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ یہ فرار ہے اور مسلمان کا کام فرار اختیار کرنا نہیں ہے اب آپ اسی معاشرہ میں رہئے' مسائل کا سامنا کیجئے اور حوصلہ و تدبر کے ساتھ ان کا حل تلاش کیجئے پھر یہاں سے چلے جانا مسلمان خاندانوں کے بس میں بھی نہیں رہا۔ اس میں نئی نسل ان کا ساتھ نہیں دے گی اور ایسے واقعات سامنے آچکے ہیں کہ واپس جانے والے خاندانوں کو نئی نسل کی ضد کے سامنے ہتھیار ڈال کر "اسی تنخواہ پر" یہاں واپس آنا پڑا ہے اس لئے ہمیں اپنی تعلیمی اور تہذیبی و ثقافتی ضروریات طے کرتے وقت اس حقیقت کو بہرحال سامنے رکھنا ہوگا کہ ہمیں اب یہیں رہنا ہے اور یہی ہماری آئندہ نسلوں کا وطن ہے اور یہ حقیقت

بھی پیش نظر رکھنا ہوگی کہ آپ کی نئی نسل پر صرف آپ کی نہیں بلکہ یہاں کی سوسائٹی کی بھی نظر ہے اور وہ اس معاملے میں سوچ 'منصوبہ بندی' ترجیحات اور منظم عمل میں آپ سے کہیں آگے ہیں صرف ایک بات سے اندازہ کریجئے گزشتہ دو دہائیوں سے برطانیہ میں گرجے فروخت ہو رہے ہیں اور ان کی جگہ مساجد بن رہی ہیں سینکڑوں مساجد ایسی ہیں جو گرجے خرید کر ان میں قائم کی گئے ہیں مجھے خیال ہوا کہ اس بارے میں یہاں کے پادریوں کا رد عمل معلوم کرنا چاہئے آخر وہ اس صورت حال سے باخبر ہیں سب کچھ دیکھ رہے ہیں تو اس معاملہ میں ان کا نقطہ نظر کیا ہے؟ یہاں کے ایک مسلمان مذہبی رہنما کے سامنے میں نے اس خیال کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ ایک بڑے پادری صاحب سے اس سلسلہ میں خود ان کی بات ہوئی ہے اور ان پادری صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ہمیں اس سلسلہ میں کچھ زیادہ فکر نہیں ہے اس لئے کہ جو مساجد بن رہی ہیں ان میں حاضری دینے اور نماز پڑھنے والے اکثروہی بوڑھے اور پختہ عمر کے لوگ ہیں جو مختلف ممالک سے ترک وطن کر کے یہاں آئے ہیں ان کی اگلی نسل میں نماز پڑھنے والوں کا تناسب بہت کم ہے اور اس سے اگلی نسل کی تیسری یا چوتھی پشت خود ان مساجد کو دوبارہ ہمارے ہاتھوں فروخت کرے گی۔ پادری صاحب کی بات سو فیصد درست نہ ہو تب بھی اس سے ہماری نئی نسل کے بارے میں یہاں کی سوسائٹی کی سوچ کا اندازہ ضرور کیا جاسکتا ہے اور ہمیں اپنی تعلیمی وثقافتی ضروریات کا دائرہ متعین کرنے میں اس سے کافی مدد مل سکتی ہے۔

اب مسئلہ کے ایک اور پہلو کا بھی جائزہ لے لیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ جب برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک میں مقیم مسلمانوں نے اور ان کی اگلی نسلوں نے بہرحال یہیں رہنا ہے تو یہاں کی مقامی آبادی کے ساتھ ان کے تعلقات اور معاشرتی جوڑ کی مستقبل کے اعتبار سے نوعیت کیا ہونی چاہئے اور کیا یہ ضروری ہے کہ درمیان میں حجاب اور منافرت کی ایک دیوار ہمیشہ حائل رہے؟ یہ بہت نازک سوال ہے اور اس کا یہ مطلب بھی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ شاید میں مسلمانوں کو یہاں کی معاشرت قبول کرنے کا مشورہ دے رہا ہوں لیکن ایسا نہیں ہے میرے سامنے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی مثال ہے جو عرب سے نکلے اور پوری دنیا میں پھیل گئے وہ جہاں جہاں بھی گئے دو باتوں کا پوری طرح اہتمام کیا ایک یہ کہ عمل وکردار کے لحاظ سے ایسی صاف ستھری زندگی وہاں کی آبادی کے سامنے پیش کی جس نے اسلام کا خاموش اور مثبت تعارف کرایا اور دوسری یہ کہ مقامی معاشرت کے ساتھ معاندانہ روش اختیار نہیں کی اور جو بات اسلام کے بنیادی عقائد واحکام سے متناقض نظر نہیں آئی اسے قبول کرلیا تھوڑی دیر کے لئے ذہن پر زور دیجئے کہ اگر برصغیر پاک وہند وبنگلہ دیش میں باہر سے جانے والے مسلمان بالخصوص صوفیاء کرام مقامی معاشرت کے ساتھ کسی حد تک مصالحانہ طرز عمل اختیار نہ کرتے اور وہاں جاتے ہی مقامی معاشرتی اقدار کے خلاف جنگ کا بگل بجادیتے تو کیا برصغیر کی اتنی بڑی آبادی کے مسلمان ہوجانے کا کوئی امکان باقی رہ جاتا؟ اسلام نے تو عرب کے جاہلی معاشرہ کی تمام اقدار وروایات کو رد نہیں کیا بلکہ جو بات قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے متصادم نظر نہیں آئی اسے اسی طرح باقی رہنے دیا اس لئے مغربی ممالک میں مقیم مسلمان دانش وروں کو اپنے مستقبل کا نقشہ بے حد سوچ بچار اور مکمل احتیاط کے ساتھ بنانا ہوگا ہم اس وقت "دوراہے کے رستے" پر چل رہے ہیں ہمیں ایک طرف یہ سوال درپیش ہے کہ ہماری نئی نسل باشعور مسلمان ہو اور یورپی معاشرت کی وہ غلط اقدار جن کا تعلق شراب' سور' عریانی' اور جنسی بے راہ روی سے ہے ہمارے نوجوانوں کی زندگی پر قابو نہ پالیں اور دوسری طرف یہ مسئلہ بھی کچھ اہمیت کا حامل نہیں کہ ہماری نئی نسل اور مقامی سوسائٹی کے درمیان اجنبیت کی کوئی ایسی دیوار حائل نہ ہونے پائے جس سے مستقبل میں ہماری حیثیت دوسرے درجے کے شہری کی ہوکر رہ جائے اور ہم یہاں کی قومی زندگی میں کوئی مقام اور کردار نہ حاصل کرسکیں میرے نزدیک اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ یہاں رہنے والے مسلمان مساجد اور دینی مدارس کے ساتھ ساتھ اپنی آبادی کے لئے عصری تعلیم کے اسکول بھی خود قائم کریں جن میں ماحول اسلام کے مطابق ہو اور تعلیم کا معیار یہاں کے سرکاری اسکولوں سے کسی طرح کم نہ ہو نیز مسلمان بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ آگے بھجوایا جائے تاکہ مستقبل میں مسلمانوں کو کسی قسم کے احساس کمتری سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اسی طرح مقامی سوسائٹی کے ساتھ معاشرتی میل جول کو اس نقطہ نظر سے بڑھایا جائے کہ ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دینی ہے اور اسلام کی طرف مائل کرنا ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب ہم ان کے سامنے ایک اچھے مسلمان کا کردار پیش کرسکیں ان کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں صدیوں سے پایا جانے والا خوف دور کرسکیں اور انہیں یہ باور کراسکیں کہ معاشرتی طور پر جس بے سکونی اور عدم اطمینان کا وہ شکار ہیں اس کا حل صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے یہ راستہ کٹھن ضرور ہے لیکن ناقابل عبور نہیں۔ خدا کرے کہ مغرب میں مقیم مسلمان دانشور اپنی صلاحیتوں کو اس رخ پر بھی صرف کریں۔

قرآنِ مجید ایک ابدی حقیقت

منجانب حافظ احسان الرحمٰن۔ عارفوالہ

قرآن مجید سے پہلے عربی میں اور دنیا کی تمام زبانوں میں شعر کو بلند مقام حاصل تھا۔ لوگ شعر کے اسلوب میں اپنے خیالات کو ظاہر کرنا کمال سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس عام روش کو چھوڑ کر نثر کا اسلوب اختیار کیا۔

یہ واقعہ بجائے خود قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ساتویں صدی کی دنیا میں صرف خدا کے لم یزل ہی اس بات کو جان سکتا ہے کہ انسانیت کے نام ابدی کتاب بھیجنے کے لئے اسے نثر کا اسلوب اختیار کرنا چاہئے نہ کہ شعر کا جو مستقبل میں غیر اہم ہوجانے والا ہے۔ پہلے قیاسی منطق کو ثبوت کے لئے کافی سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے علمی استدلال کی حیثیت سے دنیا کو باخبر کیا' لہٰذا یہ ساری چیزیں قرآن میں اتنے اسلوب کلام میں بیان ہوئیں کہ اس کے مثل کوئی کلام پیش کرنا انسانی بساط سے باہر ہے۔

قرآن مجید کا معجزہ ایک ابدی معجزہ ہے چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود قرآن حکیم کا ایک ایک لفظ تک حرکات وسکنات تک تحریف وردوبدل سے محفوظ ہیں۔ برخلاف ان گزشتہ آسمانی کتابوں کے' جن کا نزول سابق انبیاء کرام پر ہوا۔ قرآن مجید میں سیدنا ابراہیمؑ کے صحائف کی خبردی گئے ہے۔ مگر آج روئے زمین سے یہ صحائف ناپید ہیں۔ سیدنا داؤدؑ پر زبور نازل ہوئی تھی۔ جو سراسر تسبیح اور مناجات کی کتاب تھی مگر وہ بھی زمانے کے ہاتھوں آج گم ہوچکی ہے۔ تورات اور انجیل کا نزول بالترتیب سیدنا موسیٰؑ اور سیدنا عیسیٰؑ پر ہوا تھا مگر ان کے پورے نسخے یقیناً" آج دنیا کے پردے پر موجود نہیں۔ خود علمائے یہود ونصاریٰ اور ان کے احبار ورہبان نے ان کتابوں میں اس طرح تحریف وتمسیخ کرڈالی ہے کہ آج جن کے تصور سے قلب مومن تھرا اٹھتا ہے۔

قرآن پاک نے الزام لگایا (سورہ مائدہ) کہ اللہ اور اس کے رسول کے کلاموں کو انہوں نے کھینچ کھینچ کر مٹایا اور اپنی طرف سے بڑھادیا۔ اور پھر دعویٰ کیا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے.... انہوں نے معانی ومطالب کو کچھ کا کچھ کردیا۔

آپ بائبل سوسائٹی کی کوئی بائبل اٹھائیں پہلا ہی صفحہ الٹ کر دیکھیں لکھا ہوگا....

"ہز میجسٹی شاہ برطانیہ کے حکم سے سابقہ تمام تراجم ملاکر

ترمیم و اضافہ کے بعد چھاپا گیا۔

ایک سے ایک ترجمہ ملا کر دیکھیں اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج سے ۵۰ سال قبل کے کلکتہ کے اور پچاس سال بعد کے سوسائٹی لاہور کے ترجمے میں فرق ہے۔

اسی طرح اٹلی میں، اور جرمنی، فرانس وغیرہ میں دیکھیں تو آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے سب میں فرق ہے اس کے برعکس قرآن مجید اپنی نوعیت کی منفرد خدائی کلام ہے۔ چودہ صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی اس میں ذرہ برابر فرق نہیں۔ قرآن مجید کسی خطے کا چھپا ہو۔ مصر میں چھپا ہو یا تاج کمپنی پاکستان میں، ملا کر دیکھ لیں سہو و نسیان سے کہیں زیر و زبر کی کمی بیشی ہو گئی ہو گی مگر قرآن مجید کے صفحات، مطالب و معانی، اور سطریں غتربود نہیں ہو سکتیں۔ قرآن مجید کو اللہ ہی نے شرف بخشا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون○

ترجمہ۔ ہم نے خود اتاری یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

یہی قرآن حکیم کی سب سے بڑی عظمت کی دلیل ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں پر ہی موقوف نہیں رکھا کہ جن کے جل جانے اور محو ہو جانے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ فرمایا۔ اگر آج ساری دنیا کے قرآن (معاذ اللہ) نابود کر دیے جائیں تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی۔ چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

جب مسلمان قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرتے تھے علاقے فتح ہو جاتے تھے۔ جب سے ہم نے قرآن پاک پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ ہر طرف سے مسلمانوں پر قہر نازل ہوئی۔ کبھی نفرت کے تصورات میں تو کبھی جنگ کی صورت میں کہیں سیلاب کی صورت میں تو کہیں جابر حکمرانوں کی شکل میں یہ سب کچھ قرآنی تعلیمات کو فراموش کرنے کا نتیجہ ہے۔ آج جب ہم نے قرآنی احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے تو مغربی تہذیب ہماری تہذیب کا حصہ بن چکی ہے جس کی پاداش میں آج ہمیں ناکامی و رسوائی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جو معاشرہ نظریہ قرآن سے ہٹ گیا وہ فلاح و سعادت سے محروم ہو گیا اور مصائب میں کھو گیا۔ کمک میں تاثیر ہے تو کیا قرآن مجید میں اثر نہیں؟

جن لوگوں نے قرآن مجید جیسی بیش بہا دولت کے بدلے دنیا کو ترجیح دی۔ لڑکی کو بی۔ اے تک پڑھایا۔ قرآن مجید ناظرہ بھی نہ پڑھایا۔ ایسی لڑکیوں کی آخرت تو خراب ہو ہی گئی مگر یہی لڑکیاں کل روز محشر والدین کے لئے وبال جان بن جائیں گی اور رب سے فریاد کریں گی کہ یا الٰہی ہمارے بڑوں (امی ابا) کو دوزخ کا دگنا عذاب دے کہ انہوں نے

باقی صفحہ ۳۲ پر

مومن کامل کے اوصاف

مولانا محمد رضاء العلی مظاہری مدرسہ اشرف العلوم ماتن پور ضلع فتح پور

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کئی اوپر ستر باتیں ایمان سے متعلق ہیں۔ سب میں بڑی بات تو لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے چھوٹی بات راستے سے کانٹا، پتھر، لکڑی جن چیزوں سے چلنے والوں کو تکلیف کا اندیشہ ہو ہٹا دینا اور شرم و حیا بھی ایمان کی ایک بڑی چیز ہے اس ارشاد گرامی سے معلوم ہوا کہ جب اتنی باتوں کا ایمان سے تعلق ہے تو پھر پورا مسلمان وہی ہو گا جس کے اندر یہ سب باتیں پائی جائیں۔ اور جس میں کچھ باتیں ہوں کچھ نہ ہوں تو وہ پورا مسلمان نہیں بلکہ ناقص مسلمان ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ مسلمان کو پورا ہی ہونا چاہئے۔ اس میں کسی چیز کی کمی نہ ہونا چاہئے۔ اس لئے اب ضروری ہوا کہ ہر مسلمان کو وہ سب باتیں جن کا ایمان سے تعلق ہے معلوم ہوں اس لئے جملہ احادیث پر غور و فکر کر کے علماء کرام نے تلاش کیا تو وہ سب ستر چیزیں معلوم ہوئی ہیں۔ لہٰذا جملہ مسلمانوں کے فائدے کی غرض سے سب کو یکجا کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اب سب مسلمانوں کو ان سب چیزوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ سات چیزیں زبان سے متعلق ہیں اور تیس چیزیں دل سے متعلق ہیں۔ اور چالیس چیزیں پورے بدن سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی ترتیب سے نیچے ملاحظہ فرماویں اور بار بار پڑھیں تاکہ یاد ہو جائیں اور ساتھ ہی عمل فرماویں کہ مومن کامل بن کر دنیا کے لئے عملی نمونہ بن جائیں اور حصول رضائے الٰہی کے مستحق بن جائیں خداوند قدوس سب کو توفیق بخشیں آمین۔

(الف) زبان سے متعلق سات باتیں

(۱) کلمہ طیبہ پڑھنا (۲) قرآن شریف کی تلاوت کرنا (۳) علم دین سیکھنا (۴) علم دین سکھانا (۵) دعا کرنا (۶) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، لغو اور گناہ کی باتوں جیسے جھوٹ، غیبت، گالی، کوسنا، خلاف شرع گانا ان سب سے بچنا۔

(ب) دل سے متعلق تیس باتیں

(۱) اللہ تعالیٰ پر ایمان (۲) یہ اعتقاد رکھنا کہ خدا کے سوا سب چیزیں پہلے ناپید تھیں پھر خدا کے پیدا کرنے سے موجود ہوئیں (۳) یہ یقین کرنا کہ فرشتے اور جنات موجود ہیں (۴) یہ یقین کرنا کہ خدا تعالیٰ نے جتنی کتابیں پیغمبروں پر اتاری تھیں وہ سب سچی تھیں۔ البتہ اب قرآن شریف کے سوا اور کتابوں کا حکم نہیں رہا (۵) یہ یقین رکھنا کہ سب پیغمبر سچے تھے البتہ اب صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے کا حکم ہے (۶) یہ یقین رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کو سب باتوں کی پہلے ہی سے خبر ہے اور جو ان کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے (۷) یہ یقین کرنا کہ قیامت آنے والی ہے (۸) جنت کا ماننا (۹) دوزخ کا ماننا (۱۰) اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا (۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا (۱۲) اور کسی سے بھی محبت کرے یا دشمنی کرے تو خدائے تعالیٰ کے واسطے کرے (۱۳) ہر کام میں نیت خدا کے راضی کرنے کی کرنا (۱۴) گناہوں پر پچھتانا (۱۵) خدائے تعالیٰ سے ڈرنا۔ (۱۶) خدائے تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھنا (۱۷) نعمت کا شکر کرنا (۱۸) عہد پورا کرنا (۱۹) صبر کرنا (۲۰) اپنے کو اوروں سے کم سمجھنا (۲۱) مخلوق پر رحم کرنا (۲۲) جو کچھ خدا کی طرف سے ہو اس پر راضی رہنا (۲۳) خدا پر بھروسہ کرنا (۲۴) اپنی کسی خوبی پر نہ اترانا (۲۵) کسی سے کینہ کپٹ نہ رکھنا (۲۶) کسی پر حسد نہ کرنا۔ (۲۷) غصہ نہ کرنا۔ (۲۸) کسی کا برا نہ چاہنا۔ (۲۹) دنیا سے محبت نہ رکھنا (۳۰) حیا کرنا۔

(ج) پورے بدن سے متعلق چالیس باتیں

(۱) وضو کرنا اور غسل کرنا اور کپڑے پاک رکھنا (۲) نماز کا پابند ہونا (۳) زکوٰۃ و صدقہ فطر دینا (۴) روزہ رکھنا (۵) حج کرنا (۶) اعتکاف کرنا (۷) جہاں رہنے میں دین کی خرابی ہو وہاں سے چلے جانا (۸) منت خدا کی پوری کرنا۔ (۹) جو قسم گناہ کی بات پر نہ ہو اس کو پورا کرنا۔ (۱۰) ٹوٹی ہوئی قسم کا کفارہ دینا (۱۱) مرد کا گھٹنے سے ناف تک بدن چھپانا اور عورت کو دونوں ہاتھ کے گٹوں اور دونوں پیروں کے قدموں اور چہرہ کے علاوہ پورا بدن ڈھانکنا۔ (۱۲) قربانی کرنا (۱۳) مردے کا کفن دینا (۱۴) اپنے قرض کو ادا کرنا (۱۵) لین دین میں خلاف شرع باتوں سے بچنا (۱۶) سچی گواہی کا نہ چھپانا (۱۷) اگر نفس تقاضہ کرے تو نکاح کر لینا۔ (۱۸) جو لوگ اپنی حکومت اور اپنی ماتحتی میں ہیں ان کا حق ادا

باقی صفحہ ۲۴ پر

کیا آپ نے سنا ہے؟

بھکر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما ڈاکٹر دین محمد کے تاثرات

از قلم: مشتاق ڈلیوالوی

قومی شناختی کارڈ میں مذہب کے خانے کے اضافے پر ملک بھر میں جو احتجاج ہوا ہے' یا جن لوگوں نے احتجاجی بیان دیئے ہیں ان کی اصل حقیقت کھل کر سامنے آگئی ہے کہ وہ کس حد تک مسلمان ہیں یا انھیں اسلام سے کتنی دلچسپی اور لگاؤ ہے۔ تحریک ختم نبوت کی مسلسل کوششوں کے بعد صدر مملکت نے اس کے لئے حکم جاری کیا' اقلیتی فرقے کے جن لوگوں نے اس پر احتجاج کیا ہے وہ حق بجانب نہیں ہیں کیونکہ اس خانے کے اضافے سے ان کا کوئی رسم ورواج متاثر نہیں ہوا۔ ان کے حقوق غصب نہیں ہوتے بلکہ ان کی اقلیت کا تحفظ کیا گیا ہے اگر کوئی عیسائی' پارسی' مرزائی اب شناختی کارڈ بنوائے گا تو اس کے اس مذہب کو درج کیا جائے گا جس کا وہ پیروکار ہے۔ اگر وہ شناختی کارڈ میں اپنے مذہب کو درج کراتے ہوئے پردہ پوشی سے کام لینا چاہتا ہے تو پھر اس مذہب پر قائم رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مذہب تو انسان کو "سچ" کی تعلیم دیتا ہے البتہ جن لوگوں کو اپنا مذہب سچ بولنے اور پھیلانے سے منع کرتا ہے' انھیں ضرور تکلیف ہوگی' کیونکہ وہ مذہب کی آڑ میں ملک میں منافرت پھیلاتے ہوئے آشکار ہوسکتے ہیں' جنھیں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ جو فرد معاشرے میں فخریہ طور پر عیسائی یا مرزائی کہلاتا ہے' شناختی کارڈ پر عیسائی یا مرزائی لکھوانے سے کیوں کتراتا ہے۔ اس میں کیا مصلحت مضمر ہے۔ جن مسلمانوں نے مذہب کے خانے کی اضافے پر احتجاجی بیان دیئے ہیں' میں سوچتا ہوں ان لوگوں نے کونسی مصلحت کا لبادہ اوڑھ کر یہ بیان دیا ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ۔

بریں عقل ودانش بباید گریست

جنھیں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہے انھیں مذہب کے خانے میں اضافے سے ایک دلی خوشی اور اطمینان قلب حاصل ہوا ہے کہ اب کوئی بھی مرزائی یا دوسرا کوئی اقلیتی فرد مسلمان کا لبادہ اوڑھ کر دین کے منافی کوئی حرکت نہ کرسکے گا۔ شناختی کارڈ کی اس ترمیم پر سب سے بڑی تکلیف قادیانیوں کو ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ان کے خطرناک عزائم اور اسلام دشمنی کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکے گی۔

قادیانی ہمیشہ سے اسلام کے دشمن چلے آرہے ہیں اور پاکستان کی سلامتی کے لئے ایک مستقل خطرہ بنے ہوئے ہیں۔ قیام پاکستان کے موقع پر کشمیر جنت نظیر کا مسئلہ قادیانیوں نے ہی الجھایا تھا۔ قادیانی انگریز کا لگایا ہوا وہ پودا ہے جس کی جڑیں دیار پاکستان میں مستحکم ہوتی چلی جارہی ہیں۔ مرزا بشیر احمد محمود سربراہ دوم جماعت قادیانیہ نے ۲۱ فروری ۱۹۲۲ء کو کہا تھا....

"ہم احمدی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں"۔

پھر ۲۵ دسمبر ۱۹۳۲ء کو الفضل' میں لکھا "ملکی سیاست میں خلیفہ وقت سے بہتر کوئی اور رہنمائی نہیں کرسکتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اس کے ساتھ شامل حال ہوتی ہے"۔

پھر ۷ جون ۱۹۴۳ء کو الفضل' میں شائع کیا۔ "نہیں معلوم کب خدا کی طرف سے ہمیں دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہئے کہ دنیا کو سنبھال سکیں"۔

قادیانیوں کی سازشیں پاکستان کے لئے ایک المیہ ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب باؤنڈری کمیشن کے سامنے پاکستان کا کیس پیش ہوا تھا تو مسلم آبادی کے لحاظ سے گورداس پور کا ضلع پاکستان کے حصہ میں آیا تھا۔ احمد حسین اس ضلع کا ڈپٹی کمشنر مقرر ہوا تھا۔ ڈی سی آفس پر تین دن تک پاکستان کا پرچم لہراتا رہا مگر تین دن کے بعد تحصیل شکرگڑھ کے علاوہ تمام علاقہ ہندوستان کے حوالے کردیا گیا۔ گورداسپور اگر پاکستان میں شامل رہتا تو کشمیر کی کوئی سرحد بھی ہندوستان سے نہیں ملتی تھی۔ یہ قادیانیوں کی سازش تھی کہ گورداسپور کو پاکستان سے نکال کر کشمیر اور نہری پانی کا مسئلہ کھڑا کردیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب باؤنڈری کمیشن میں کیس کی سماعت ہورہی تھی' قادیانی جماعت اپنے نقشے اور آبادی سمیت کمیشن کے سامنے پیش ہوئی گورداس پور کی ۲۰ ہزار قادیانی آبادی نے قادیانی ریاست کا مطالبہ کردیا ہندو اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اس منصوبے کے تحت قادیانی مسلم آبادی کا تناسب نکالا تو ضلع گورداس پور میں تناسب کے لحاظ سے مسلمانوں کی آبادی گھٹ گئی اور یہ ضلع انڈیا کے حوالے کردیا گیا۔ ہندوستان کی سرحدیں کشمیر کے ساتھ مل گئیں اور نہری پانی کا منبع ہندوستان چلا گیا۔

یہ وہ پہلا کاری وار تھا جو نوزائیدہ پاکستان کے دل پر قادیانیوں نے لگایا تھا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قادیانی ہمیشہ سے پاکستان کے دشمن اور ہندوستان کے دوست چلے آرہے ہیں۔ وہ آج بھی اکھنڈ بھارت کے اتنے ہی دل سے خواہش مند ہیں جتنا مرزا محمود کے دور میں تھے کیونکہ ان کا الہامی عقیدہ ہے:

"میں قبل ازیں بتا چکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے لیکن قوموں کی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے تو یہ اور بات ہے۔ ہندوستان کی تقسیم پر رضامند ہوئے تو خوشی سے نہیں بلکہ ایک مجبوری سے اور پھر کوشش کریں گے کہ کسی نہ کسی طرح متحد ہوجائیں"۔

آج کے قادیانی کے ذہن میں بھی یہ بات محفوظ چلی آرہی ہے ۱۵ اگست ۱۹۹۳ء کے پاکستان اخبار میں لندن میں ہونے والی قادیانیوں کی سالانہ اجتماع کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے:

"اس اجتماع میں ۳۶ ملکوں سے ۱۰ ہزار افراد شریک ہوئے۔ اس میں اس بات پر فخر کیا گیا کہ قادیانیوں کا ہیڈ کوارٹر قادیان بھارت میں موجود ہے۔ بھارت نے قادیانیوں کو ہر قسم کی مذہبی آزادی دے رکھی ہے۔ اجتماع میں بھارت زندہ باد کے نعرے لگائے گئے"۔

الفضل' کے ۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کے شمارے میں مرزا بشیر احمد کا ایک بیان شائع کیا گیا تھا کہ ہم انڈیا کے وفادار باشندوں کی حیثیت سے قادیان (بھارت) واپس جانا چاہتے ہیں۔ میرے پاس کئی ایسی واضح اور تاریخی ثبوت موجود ہیں جو قادیانیوں کی بھارت نوازی اور پاکستان دشمنی پر دال ہیں:

"نقل آبرورو" کے نمائندہ کو ڈاکٹر دین محمد فریدی نے ایک ملاقات میں بتایا۔ مجاہد ختم نبوت اور عظمت وناموس رسالت کے پروانے ڈاکٹر دین محمد فریدی نے اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا....

"پاکستان کی سالمیت اور اسلام کی عظمت کو جتنا نقصان قادیانیوں نے پہنچایا ہے' سن سن کر دل لرز جاتا ہے لیکن ہمارے ارباب اختیار نے مصلحت کی چادر اوڑھ رکھی ہے جب ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر پاکستان

باقی صفحہ ۲۴ پر

صاحبزادہ طارق محمود

قادیانیوں کا سالانہ جلسہ

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر کے مضحکہ خیز دعوے
کیا سکھ مذہب اسلام کا فرقہ ہے؟
قادیانیوں اور سکھوں کی دوستی کا مخصوص پس منظر
بھارتی حکومت قادیانیوں پر مہربان کیوں ہے؟

اخباری اطلاعات کے مطابق قادیانیوں کا ۱۰۱واں تین روزہ سالانہ اجتماع ۲۸ دسمبر بروز پیر کو بھارتی پنجاب ضلع گورداسپور قادیان میں ہوا۔

- جلسے کا افتتاح قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے کیا۔
- بھارتی ٹیلی ویژن کے مطابق ۲۰ ممالک سے دس ہزار مندوبین نے شرکت کی۔
- بیت الفضل لندن سے مواصلاتی سیارہ کے ذریعہ قادیانی جماعت کے سربراہ کا خطاب چار براعظموں میں دیکھا اور سنا گیا۔
- قادیان کے جلسے سے سکھوں کے مذہبی رہنما بابا بائے ڈیرہ بابا گورو نانک نے بھی خطاب کیا۔

قادیانی جماعت کے بھگوڑے سربراہ مرزا طاہر احمد کے خطاب کا پورا متن تو اخبارات میں شائع نہیں ہوا۔ تاہم ان کی تقریر کے نکات حسب ذیل ہیں۔

- میں تمام اقوام کا خلیفہ ہوں۔
- ہندوؤں کی گیتا بھی خدائی صحیفہ ہے۔
- سکھ مذہب اسلام کا ہی ایک فرقہ ہے۔
- ہم پاکستان کے وفادار ہیں اور وفادار رہیں گے۔

(روزنامہ پاکستان ۲۹ دسمبر ۱۹۹۲ء)

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد کی تقریر کے تمام دعوے حیرت انگیز اور مضحکہ خیز ہیں۔ جھوٹ بولنا ان کے آباؤ اجداد کا تاریخی ورثہ اور روایت ہے۔ دنیا جانتی ہے۔

- مرزا طاہر احمد اقوام عالم کے خلیفہ ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔
- ہندوؤں کی گیتا قطعی خدائی صحیفہ نہیں بلکہ رام جی کی ذہنی اختراع ہے۔
- سکھ مذہب اسلام کا فرقہ نہیں بلکہ الگ مذہب ہے اور سکھ قوم کا اپنا علیحدہ تشخص ہے۔
- قادیانی پہلے پاکستان کے وفادار تھے اور نہ اب ہیں۔ کیونکہ اکھنڈ بھارت پر یقین ان کا الہامی عقیدہ ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں جماعت احمدیہ کے سربراہ کے دعوؤں کی حقیقت کیا ہے اور اس کا پس منظر کیا ہے؟ یہ پہلا موقع ہے کہ قادیانی جماعت کے قائد کی تقریر ڈش اینٹینا کے ذریعہ چار براعظموں میں دکھائی گئی۔ برطانوی سامراج کی خود کاشتہ اور استعمار کی یادگار جماعت اپنے بجٹ اور وسائل کے لحاظ سے اس قدر خود کفیل ہے کہ وہ اپنے پیغام اور پروپیگنڈے کو پوری دنیا تک با آسانی پہنچا سکتی ہے۔ ۱۹۸۴ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے نتیجہ میں پاکستان میں قادیانیوں کی تبلیغی سرگرمیاں معطل ہو کر رہ گئی تھیں اس آرڈیننس کے اجراء اور نفاذ کے ساتھ ہی مرزا طاہر احمد نے راہ فرار میں ہی اپنی عافیت سمجھی تب سے جماعت احمدیہ کے سربراہ بیرون ملک خصوصاً "تاج برطانیہ کی گود میں بیٹھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ قادیانی جماعت کے سربراہ کی سرپرستی میں قادیانیوں نے ربوہ کی بجائے اپنے آبائی مرکز قادیان میں سالانہ جلسہ بڑے اہتمام و انصرام سے کرنا شروع کر دیا ہے۔ قادیان (بھارت) میں قادیانیوں کے سالانہ جلسہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ بھارتی سرکار کی زیر نگرانی منعقد ہوتا ہے۔ بھارت کی حکومت قادیانیوں کو جملہ مراعات اور سہولتیں مہیا کرتی ہے۔ جماعت احمدیہ پر بھارتی حکومت کی نظر شفقت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ گزشتہ برس دسمبر کے سالانہ جلسہ کی ساری کارروائی تین دن تک براہ راست "بھارتی دوردرشن" سے ٹیلی کاسٹ ہوتی رہی جسے پاکستان کے بعض شہروں میں بھی دیکھا گیا۔ بھارت سیاسی اور معاشرتی طور پر قادیانیوں کے سالانہ اجتماع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ گزشتہ برس کے اخبارات کی خبروں کے مطابق بھارت نے قادیانی اجتماع کی بدولت کروڑوں روپے کا زرمبادلہ کمایا۔

"۲۵ دسمبر کو پاکستان سے بھارت جانے والے قادیانیوں نے ایک کروڑ روپے کی بھارتی کرنسی حاصل کی۔ اٹاری ریلوے اسٹیشن پر بھارتی بینک کرنسی تبدیل کرتا ہے۔ اس روز کاؤنٹر پر بھارتی کرنسی ختم ہو گئی اور بینک والوں کو خصوصی گاڑی بھیج کر امرتسر سے مزید رقم منگوانا پڑی۔"

بھارتی حکومت کی جانب سے دینی جماعت ہونے کی دعویدار جماعت کے ساتھ نوازشات کا معاملہ بڑا تعجب خیز ہے۔ بھارت وہ متعصب ملک ہے جو اپنی سرزمین پر بسنے والے بھارتی مسلمانوں کے وجود کو تو برداشت نہیں کرتا۔ لیکن اس کے برعکس خود کو مسلمان کہلوانے والے قادیانیوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی میں پرجوش نظر آتا ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ بھارت میں مسلمانوں کے اکثر مذہبی تہوار منعقد ہوتے ہیں۔ اجمیر شریف کا عرس ہو یا کوئی اور مذہبی تقریب۔ بھارتی حکومت مسلمان زائرین کے ساتھ ایسے حسن سلوک کا مظاہرہ نہیں کرتی۔ جیسا کہ وہ ہر سال بھارت میں قادیانیوں کے ہونے والے جلسہ کے موقع پر کرتی ہے۔ بھارت سرکار کی اس دوغلی پالیسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قادیانیوں کے بارے میں بخوبی جانتی ہے کہ قادیانی پاکستان کے نظریاتی دشمن ہیں اور یہ کہ اکھنڈ بھارت ان کا الہامی عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کی پختگی پر ہی بھارتی حکومت اور قادیانی جماعت کی دوستی کی بنیاد ہے۔ اس لئے بھارتی حکومت نے قادیانیوں کے بارے میں فیاضانہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے کچھ عرصہ سے بھارت اور قادیانیوں کے تعلقات میں گرمجوشی پائی جاتی ہے اس کی ایک وجہ مشرقی پنجاب میں سکھوں کی ایجی ٹیشن بھی ہے۔ بھارتی حکومت نے بارہا پاکستان پر الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان مشرقی پنجاب کے سکھوں کی پشت پناہی کر رہا ہے اور سکھوں کو بھارتی حکومت کے خلاف بھڑکانے میں اس کا ہاتھ ہے حالانکہ معاملہ قطعی اس کے برعکس تھا۔ پاکستان نے کبھی بھی سکھوں سے سیاسی مفادات حاصل نہیں کئے اور نہ ہی انہیں بھارت کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سکھ اگر پاکستان حکومت اور عوام کی عزت کرتے ہیں۔ تو صرف اس لئے کہ پاکستان میں سکھوں کے مقدس مقامات کا ہر طرح سے تحفظ کیا جاتا ہے اور انہیں پاکستان میں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ مقدس مقامات کی حفاظت اور مذہبی آزادی کے ضمن میں سکھ جب بھارت اور پاکستان کا موازنہ کرتے ہیں۔ تو انہیں حقیقی خوشی اور مسرت ہوتی ہے کہ ایک نظریاتی اور اسلامی ریاست ہونے کے باوجود سیکولر بھارت کی نسبت پاکستان میں انہیں زیادہ

بعد آزادی حاصل ہے بھارت اپنی گھنیا ذہنیت کے مطابق قادیانی اقلیت کو سکھوں کے مقابلہ میں پاکستان کے خلاف استعمال کرکے اپنے مخصوص مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔

قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا طاہر احمد نے ہندوؤں کی گیتا کو خدائی صحیفہ اور سکھ مذہب کو اسلام کا فرقہ قرار دے کر ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں۔ مرزا صاحب نے ہندوؤں اور سکھوں دونوں کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے قادیان کے حالیہ جلسہ میں سکھوں کے مذہبی رہنما باباذیرہ گورو نانک نے نہ صرف شرکت کی بلکہ خطاب بھی فرمایا۔ گزشتہ کئی برس سے قادیانیوں کے جلسہ میں سکھ رہنما شریک ہوتے ہیں۔ قادیانیوں اور سکھوں کے مراسم اور گہرے تعلقات ایک مخصوص پس منظر کے حامل ہیں۔

"ایک شاطر انگریز "چیفس پنجاب" میں مرزا غلام احمد قادیانی کے خاندان کو شمار کرتا ہے اور اس خاندان کے ماضی کا تعارف کروا رہا ہے۔ اس تعارف و حقائق و شواہد کے ضمن میں ان واقعات کو پیش کرتا ہے۔ جن میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دادا اور والد کی سکھوں سے دوستی۔ سکھوں سے اپنی ریاست کی واپسی، سکھوں کی فوج میں بھرتی، سکھوں کی حکومت کے استحکام میں کشمیر کی سرحدوں پر خدمات، پشاور کے مسلمانوں کا غلام بنانے "مفسدہ ہزارہ" کے باغیوں کی سرکوبی میں ان کی خدمات اور جب سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے تنگ آکر پنجاب کے مسلمانوں بالخصوص گکھڑوں اور بعض دوسرے قبائل نے سکھوں کے خلاف علم حریت بلند کیا تو اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کو دریائے چناب میں ڈوب مرنے کی عظیم خدمات سرانجام دیں۔"

(بحوالہ ہفت روزہ المنبر ص۶ جلد نمبر۱۰ شمارہ نمبر۷ ۱۸ مارچ ۱۹۶۶ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے آباؤاجداد اور خاندان کے سکھوں کے ساتھ تعلقات پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب خالد شبیر لکھتے ہیں۔

"مرزا غلام احمد کسی گمنام خاندان کے فرد نہیں بلکہ ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جس کا تذکرہ تاریخ کے صفحات میں موجود ہے۔" سرلیپل گریفن نے اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں مرزا صاحب کے خاندان کا قصہ بیان کیا ہے جس کا اردو ترجمہ سید نوازش علی شاہ مترجم دفتر گورنر پنجاب نے ۱۹۱۱ء میں سرکاری اجازت سے کردیا۔ اس کتاب کی جلد دوئم کے صفحہ ۲۹ پر مرزا صاحب کے خاندان کا ذکر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان سکھوں کے دور اقتدار میں بھی سکھوں کے ساتھ مل کر پنجاب کے مختلف علاقوں میں مسلمان حریت پسندوں کے خلاف شمشیرزنی کے جوہر دکھاتا رہا۔ جب انگریز پنجاب میں آئے اور سکھ دور حکومت زوال پذیر ہوا تو پھر مرزا صاحب کے اسلاف انگریزوں کے ساتھ مل کر ان حریت پسندوں کے خلاف بھی نبرد آزما ہوئے جو انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے کی راہ میں رکاوٹ بن رہے تھے۔

مرزا عطا محمد اور اس کے والد مرزا گل محمد (مرزا غلام احمد کے دادا اور پڑدادا) ابتداء میں سکھوں کے دو گروہوں کے درمیان لڑائی میں ایک گروہ کے ساتھ مل کر دوسرے گروہ کے ساتھ لڑتے رہے لیکن جب مرزا عطا محمد اور گل محمد کی حلیف سکھ جماعت "اہلو والیا" کو شکست ہوئی اور یہ گروہ اپنی جاگیریں کھو بیٹھا تو سکھ سردار فتح سنگھ "اہلو والیا" کے ہمراہ مرزا کے اب وجد کو بھی نقل مکانی کرکے قادیان کی بجائے بیگو وال کے علاقے میں جانا پڑا۔ بیگو وال کا عرصہ تقریباً بارہ برس کا بنتا ہے۔ بعد میں جب راجہ رنجیت سنگھ نے اکال گڑھ فتح کرلیا تو اہلو والیا خاندان کے ساتھ صلح کرلی جس کے نتیجہ میں مرزا عطا محمد اور اس کے خاندان کی جلاوطنی کا دور ختم ہوگیا اور یہ لوگ بیگو وال سے واپس قادیان چلے آئے مرزا عطا محمد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مرزا غلام مرتضیٰ راجہ رنجیت کی فوج میں بھرتی ہوگیا چنانچہ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوجوں نے فتح سنگھ اہلو والیا کی مدد سے زسکہ کو فتح کرکے قصور پر چڑھائی کی اور خان افتخار حسین خان والئی ممدوٹ کے مورث اعلیٰ نظام الدین خان کو شکست دی تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے مرزا غلام مرتضیٰ کی فوجی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے قادیان کی جاگیر کا ایک حصہ اسے واپس کردیا اور یوں یہ خاندان ایک مرتبہ پھر حکمرانوں کی نظر میں وفادار بن کر بڑے آرام کی زندگی بسر کرنے لگا۔

مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ نے رنجیت سنگھ کی فوج میں ملازم رہ کر مہاراجہ کی ہر فوجی مہم میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں سید احمد شہیدؒ کے حریت پسندوں کا جہاد دراصل اسی سکھ حکومت کے خلاف تھا۔ اس لئے کشمیر، پشاور اور ہزارہ پر سکھوں نے جتنے بھی حملے کئے تھے وہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔ ان حملوں میں مرزا صاحب کے والد اور بھائی مرزا غلام مرتضیٰ اور مرزا غلام قادر سکھ فوج میں ملازم ہوکر مسلمانوں کے خلاف لڑتے رہے۔ مرزا غلام مرتضیٰ نے اپنی فوجی زندگی کا بیشتر حصہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بیٹے شیر سنگھ کی ملازمت میں بسر کیا اور یہ وہی شیر سنگھ ہے جس کی قیادت میں بالاکوٹ کے مقام پر سید احمد شہیدؒ کے مجاہدوں کے ساتھ سکھوں کی آخری جھڑپ ہوئی۔ جس میں اسلام کی یہ عظیم الشان تحریک جذبہ جہاد سے سرشار ہوکر اسلام کے نام پر قربان ہوگئی۔

جب سکھ حکومت پر زوال آیا تو اس خاندان کی تمام تر وفاداریاں انگریز حکومت کی طرف منتقل ہوگئیں۔ مغلیہ سلطنت کے دور زوال پر یہ خاندان سکھوں کے ساتھ منسلک ہوگیا تھا اور جب سکھوں پر زوال آیا تو انگریزوں کی حمایت کرنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے افراد میں موقعہ شناسی اور موقعہ پرستی کا جوہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا وہ چڑھتے سورج کی پرستش کو جزو ایمان خیال کرتے تھے۔"

(تاریخ محاسبہ قادیانیت ص۲۲۲، از پروفیسر خالد شبیر احمد)

قادیانی جماعت کے ترجمان اخبار الفضل کی تحریر سے قادیانی سکھ دوستی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

"حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طرف سے ایک وفد نے جو سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر اخبار نور اور مولانا جلال الدین صاحب شمس پر مشتمل تھا۔ ۲۲ فروری ۱۹۳۵ء کو کرنل سردار گھمبیر سنگھ صاحب بہادر ڈیوڑھی سیکرٹری کو گوردوارہ پٹنہ صاحب کمیٹی کو مبلغ پانچ سو روپیہ کی رقم گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیر کے لئے پیش کی۔ وفد ہز ہائی نس مہاراجہ ادھیراج پٹیالہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ جو گوردوارہ پٹنہ صاحب کی تعمیری کمیٹی کے صدر ہیں۔ ہز ہائی نس نے جماعت احمدیہ کے اس طریق عمل کی بہت تعریف کی۔"

(الفضل قادیان ۸ مارچ ۱۹۳۵ء جلد نمبر۲۲ شمارہ نمبر۸۹)

قادیانی پاکستان کی اور سکھ بھارت کی اقلیت ہیں۔ حسن اتفاق کہ قادیانیوں کا آبائی مرکز قادیان مشرقی پنجاب جبکہ سکھوں کا مقدس مرکز ننکانہ صاحب مغربی پنجاب میں واقع ہیں سکھ اور قادیانی اپنے اپنے آبائی مراکز سے والہانہ عقیدت اور لگاؤ رکھتے ہیں۔ سکھ اور قادیانی دونوں اپنے مذہبی مقامات مقدسہ کے حصول کے لئے بے تاب ہیں اور حصول کے خواہشمند ہیں۔

جماعت احمدیہ کے قیام کے ساتھ ہی بانی جماعت نے قادیان کو اپنا روحانی مرکز بنایا اور اسے مکہ اور مدینہ منورہ سے اعلیٰ اور افضل قرار دیا گیا اور قادیان کے جلسہ کو حج اکبر سے تشبیہ دی گئی چنانچہ قادیانی جماعت کے دوسرے نام نہاد خلیفہ کا بیان ہے۔ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی نے اس کے متعلق بہت زور دیا ہے کہ جو بار بار یہاں نہ آئے مجھے ان کے ایمان کا خطرہ ہے وہ کاٹا جائے گا تم ڈرو کہ تم میں سے نہ کوئی کاٹا جائے پھر یہ تازہ دودھ کب تک رہے گا آخر ماؤں کا دودھ بھی سوکھ جایا کرتا ہے کیا مکہ اور مدینہ کی چھاتیوں سے دودھ سوکھ گیا کہ نہیں۔"

(مرزا بشیرالدین محمود مندرجہ حقیقت الرؤیا ص۴۶)

چونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل اپنی نبوت کا ڈھونگ رچایا اس لئے مکہ و مدینہ کے بالمقابل قادیان کی فضیلت کو ثابت کرنے کی کوشش کی۔ قرآن مجید سے مرزا صاحب نے قادیان کا ذکر ثابت کرتے ہوئے کہا۔

"اور یہ بھی مدت سے الہام ہوچکا ہے انا انزلناہ قریبا من القادیان۔"

(ازالہ اوہام ص۷۵ ج۳ مرزا قادیانی)

مرزا بشیرالدین محمود نے قادیان کے جلسہ کو ظلی حج قرار دیتے ہوئے کہا۔

"ہمارا جلسہ بھی حج کی طرح ہے۔ جیسا کہ حج میں رفث فسوق اور جدال منع ہے۔"

(خطبہ محمود مندرجہ برکات خلافت ص مجموعہ تقاریر جیسہ سالانہ ۱۹۱۴ء)

ہم یہ حوالہ جات اس لئے بھی پیش کرنا چاہتے ہیں کہ پڑھے لکھے اور لبرل مسلمان کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

انھیں ان حوالوں سے معلوم ہوسکے کہ قادیانیت اسلام کے مقابلے میں ایک الگ مذہب کا درجہ رکھتی ہے۔ قادیانیوں کا روحانی مرکز مسلمانوں کے روحانی مرکز کے مقابلہ قائم کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی جماعت کے راہنماؤں نے اپنے مرکز کی برتری کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس کا اندازہ اس تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

"جیسے احمدیت کے بغیر یعنی مرزا قادیانی کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے۔ وہ خشک اسلام ہے اسی طرح ظلی حج (جلسہ قادیان) کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک رہ جاتا ہے۔"

(پیغام صلح ۱۹ اپریل ۱۹۳۳ء)

مرزا بشیر الدین محمود کا ایک اور ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔

"میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتادیا ہے کہ قادیان کی زمین بابرکت ہے۔ یہاں مکہ و مدینہ منورہ والی برکات نازل ہوتی ہیں۔"

(مرزا محمود الفضل ۱۱ دسمبر ۱۹۳۲ء)

لعنت اللہ علی الکاذبین○

قادیانی اپنے مرکز قادیان کے حصول کے لئے کس شدت سے خواہش مند ہیں۔ اس کا اندازہ حسب ذیل تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے۔

"قادیان ہمارا ہے اور وہ احمدیت کا مرکز ہے اور ہمیشہ احمدیت کا مرکز رہے گا (انشاء اللہ) حکومت کا خواہ بڑی ہو یا چھوٹی بلکہ حکومتوں کا کوئی مجموعہ بھی ہمیں مستقل طور پر قادیان سے محروم نہیں کرسکتا۔ اگر زمین ہمیں قادیان لے کر نہ دے گی تو ہمارے خدا کے فرشتے آسمان سے اتریں گے اور ہمیں قادیان لے کر دیں گے۔"

(روزنامہ الفضل لاہور ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۸۶)

قادیانی جماعت کے سربراہ نے جماعت احمدیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا۔

"انھیں واپس اپنے اپنے مقامات پر جانے کا خیال ہرگز نہ بھولنا چاہئے وہاں ہمارے اسلاف کی بنائی ہوئی مسجدیں اور مقابر انھیں یوں ہی چھوڑ دینا بے غیرتی ہے۔ ہمیں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہروقت وہاں جانے کے لئے تیار رہنا چاہئے اور اس کے لئے ایک دوسرے کو تحریک کرتے رہنا چاہئے۔"

(روزنامہ الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۴۷ء)

مرزا محمد حیات تاثر قادیانی لکھتے ہیں۔

"اے کاش انڈین یونین میری بات کو سمجھے کہ احمدیوں نے قادیان اور قادیان والے کی خاطر ساری دنیا کو چھوڑ دیا اور اب وہ ان کو چھوڑ کر کیسے زندہ رہ سکتے ہیں۔"

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۹ مئی ۱۹۴۸ء جلد نمبر ۲ شمارہ نمبر ۸۹)

جس طرح قادیانی اپنے آبائی مرکز کے حصول کے لئے بے قرار ہیں۔ اسی طرح سکھ مغربی پنجاب (پاکستان) میں واقع اپنے مقدس مرکز کو پانے کے خواہش مند ہیں۔ قادیانی اور سکھ اپنے اپنے مراکز کیونکر اور کیسے حاصل کرسکتے ہیں؟ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے شورش کاشمیری رقمطراز ہیں۔

"عالمی استعمار کی خواہش کے مطابق پاکستان جو کبھی مغربی پاکستان تھا کئی ریاستوں مثلاً" پختونستان' بلوچستان اور سندھو دیش وغیرہ میں تقسیم ہو تو پنجاب میں حکمران طاقت یا سکھوں کے ساتھ مشترکہ طاقت کی سربراہی ان کے ہاتھ میں ہو۔

مرزائی سیاست کا نقشہ یہ ہے کہ عالمی استعمار اس پاکستان کو ضرب و تقسیم سے تین چار ریاستوں میں بانٹنے کا ارادہ کرچکا ہے۔ پختونستان بنے گا بلوچستان بنے گا۔ سندھو دیش بنے گا۔ ان کے اضلاع میں تھوڑا بہت رد و بدل ہوگا۔ ہو سکتا ہے سندھ کا کچھ علاقہ بھارتی راجستھان کو چلا جائے۔ پختونستان میں پنجاب کے ایک دو اضلاع آجائیں۔ بلوچستان سندھ کے ایک دو اضلاع لے جائے اور پنجاب کے ایک دو اضلاع آجائیں۔ بلوچستان سندھ کے ایک دو اضلاع لے جائے اور پنجاب میں ڈیرہ غازی خان کے ضلع پر اس کی نگاہ ہو۔ لیکن جتنی جلدی یہ ہو قادیانی اپنے لئے اتنا ہی مفید سمجھتے ہیں۔ قادیانی امت کی اس مہرہ بازی کا حاصل کلام یہ ہے کہ اپنے اس بلتانی مقدر کے بعد پاکستان ختم ہوجائے گا تو سکھ استعماری شہ اور بھارتی تعاون سے پنجاب پر اپنے اس استحقاق کا دعویٰ کریں گے کہ وہ ان کے گوروؤں کی نگری ہونے کے باعث ان کا ہے۔ جس طرح یہود نے فلسطین کو اپنے پیغمبروں کے مولد و مسکن و مرقد ہونے کی بناء پر حاصل کیا اور اسرائیل بنا ڈالا۔ اسی طرح پنجاب سکھوں کے لئے ہوگا۔ بعض نامعلوم وجوہ کے باعث پنجاب اس وقت پختونستان' سندھو دیش اور بلوچستان کی ناراضگی میں گھرا ہوگا۔ مرزائی امت گوروؤں کی نگری کے طالبین سے معانقہ کرکے اپنے مدینۃ النبی قادیان کی مراجعت پر خوش ہوگی۔ تب عالمی استعمار کی مداخلت سے ایک نیا پنجاب پیدا ہوگا جو سکھ احمدی ریاست ہوگا اور جس کا پاکستانی وجود ختم ہوجائے گا۔

(عجمی اسرائیل ص ۳۹'۴۰ از شورش کاشمیری)

اکھنڈ ہندوستان اور قادیان

پاکستان کے متعلق مرزائیوں کی مخصوص ذہنیت اور سیاسی منافقت تو اسی امر سے ظاہر ہے کہ ان کا موجودہ پیشوا اپنے ایک رؤیا کی بناء پر اکھنڈ ہندوستان کو احمدیت کے فروغ کے لئے خدا کی دی ہوئی ایک وسیع بیس سمجھتا تھا۔ قادیانی اپنے آبائی مرکز کے حصول کے لئے کس حد تک جاسکتے ہیں۔ اس کا اندازہ مولانا مرتضیٰ احمد خان مکیش کی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

"مرزائی قادیان کو اسی طرح اپنا قبلہ و کعبہ و مقدس مقام اور متبرک شہر سمجھ رہے ہیں جس طرح مسلمان مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور القدس کو سمجھتے ہیں اور مرزائیوں کا یہ متبرک مقام بھارت کے حصے میں جاچکا ہے جس کے تحفظ کے لئے وہ ہمیشہ بھارت کی حکومت کے دست نگر اور محتاج رہیں گے۔ مرزائیت کے مرکز کا بھارت کی ہندو حکومت کے قبضے میں ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ مرزائیوں کی مذہبی جان ہندوؤں کی مٹھی میں ہے اور اس جان کی خاطر مرزائی بھارت کی ہندو حکومت کی ہر طرح خوشامد اور چاپلوسی کرتے رہیں گے۔ اس سلسلہ میں یہ امر ہمیشہ پیش نظر رکھنے کے قابل ہے کہ چودھری ظفر اللہ خان مرزائی نے پاکستان کا وزیر خارجہ بننے کے بعد بھارتی کے ارباب حکومت سے قادیان سے سکھوں کے متبرک مقام ننکانہ کا تبادلہ کرنے کی بات چیت کی تھی۔ جس کا حال ان ہی دنوں بھارت کے اخباروں نے شائع کردیا تھا۔ چودھری ظفر اللہ خان کا مدعا یہ تھا کہ ننکانہ صاحب کا قصبہ بھارت کو دینے کے لئے پاکستان کی مملکت کا ایک معتدبہ ٹکڑا بھارت کے حوالے کردیا جائے تاکہ مرزائی قادیان کی بستی کو حاصل کرلیں۔ مرزائیوں کی یہ خطرناک تجویز حکومت پاکستان کے کسی ہوشمند رکن کی بروقت فراست کے باعث عملی صورت اختیار نہ کرسکی۔ لیکن چودھری ظفر اللہ خان نے ننکانہ میں سکھ سیواداروں کی ایک جماعت کو سکھوں کے متبرک مقامات کی دیکھ بھال کی اجازت دے کر بھارت کی حکومت سے پاکستان کے لئے نہیں اور پاکستان کے مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ اپنی مرزائی قوم کے لئے یہ حق حاصل کرلیا کہ مرزائی درویشوں کی ایک تعداد قادیان میں بود و باش رکھے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ چودھری ظفر اللہ خان کے متذکرہ صدر کارنامے کے بعد یہ حقیقت الم نشرح ہوجاتی ہے کہ مرزائی جماعت کے لوگ قادیان کی خاطر پاکستان کا بڑے سے بڑا مفاد بھی قربان کرنے کے لئے آمادہ ہیں چنانچہ ہر مرزائی نے اپنے پیشوا کو اس مضمون کا تحریری حلف نامہ دے رکھا ہے کہ وہ قادیان کے حصول کے لئے ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہے گا۔ اس عہد نامہ کے الفاظ بصورت ذیل ہیں۔

ہمارا عہد: میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے قادیان کو احمدیہ جماعت کا مرکز مقرر فرمایا ہے میں اس حکم کو پورا کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش اور جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس مقصد کو کبھی بھی اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دوں گا اور میں اپنے نفس کو اور اپنی بیوی بچوں کو اور اگر خدا کی مشیت یہی ہو تو اولاد کی اولاد کو ہمیشہ اس بات کے لئے تیار کرتا رہوں گا کہ وہ قادیان کے حصول کے لئے ہر چھوٹی اور بڑی قربانی کرنے کے لئے تیار رہیں۔ اے خدا مجھے اس عہد پر قائم رہنے اور اس کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما۔"

بہ ظاہر یہ عہد نامہ بے ضرر سا نظر آتا ہے اور کہا جائے گا کہ اگر مرزائی اپنے دینی مرکز کو دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں اور اس کے لئے ہر قسم کی کوشش جاری رکھنے کا عہد کرتے ہیں تو اس میں حرج کی کون سی بات ہے ہمارے نزدیک اس میں پاکستان کے لئے اور پاکستان کے مسلمانوں کے لئے حرج کی بات یہ ہے کہ قادیان کے حصول کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنے کے ضمن میں ایسی کوششیں بھی آجاتی ہیں جو پاکستان اور مسلمانان پاکستان کے مفاد کو خطرہ میں ڈالنے والی ہوں مثلاً" مرزائی ایک وقت ننکانہ صاحب سے قادیان کا تبادلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے تھے۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں اور کسی وقت وہ قادیان حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں سے ہندوستان کو پھر سے اکھنڈ بنانے کی جدوجہد کا سودا

باقی صفحہ ۲۶ پر

۲۰ شعبان تا ۲۶ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۲ تا ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء

کالم

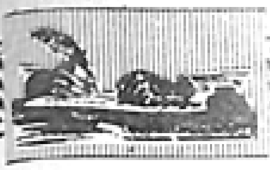

مسئلہ کشمیر اور فتنہ قادیانیت

پاکستان ایک ہے اور اس کے حکمران بننے والے بہت' چند لوگ تو وفاق کی سیاست کرکے ایک کامل مکمل پاکستان کے حکمران بننے کی کوشش کر رہے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بعض مخصوص علاقوں کو الگ کرکے وہاں کے آمر مطلق بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں' جیسا کہ خان عبدالولی خان پختونستان کا نعرہ لگاتے ہیں تو خیر بخش مری آزاد بلوچستان کا' جی ایم سید سندھو دیش کے خواہشمند ہیں تو تاج محمد لنگاہ کل آزاد سرائیکی صوبے کے رزومند ہیں' آغا خان چترالی اور شمالی علاقہ جات کو اپنی مملکت بنانے کے تانے بانے بن رہے ہیں تو قادیانی کشمیر کو "نجمی اسرائیل" بنانے کی سازش میں مشغول۔

بہرکیف! خلاصہ یہ کہ پاکستان کی مثال قربانی کے اس "بیل" کی سی ہے جسے قربانی کے مراحل سے گزار کر سات شراکت دار سات حصوں میں تقسیم کرکے اپنا اپنا حصہ حاصل کرکے چل پڑتے ہیں۔ مذکورہ بالا افراد بھی یہی کچھ پاکستان کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حاملین نظر تنگ پر عقل سلیم دنگ ہے کہ جب برطانوی سامراج ہند پر اپنا یونین جیک لہرائے ہوئے تھا تو یہ لوگ نہ صرف یہ کہ چپ اور خاموش تھے بلکہ ان میں سے کچھ تو ایسے بھی تھے جو ملکہ وکٹوریہ کو اپنی ماں اور برطانوی سامراج کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے مگر جب پندرہ لاکھ افراد نے اپنے لہو کے دریا بہا کر اور اپنے آشیانوں کو آگ لگوا کر شعلوں کی دیواریں کھڑی کردیں اور ان اسلاف کے اخلاف خون کے ان دریاؤں میں تیر کر اور شعلوں کی ان دیواروں سے گزر کر پاکستان کے نام سے موسوم ایک گلستان میں آگئے تو تب ان "ابن الوقتوں" کے ضمیروں نے شیاطین کے روپ دھار لئے' اور اس پکی پکائی روٹی پر جھپٹ پڑے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہوگئے اور یوں پاکستان کے خلاف بچھائی گئی سازشوں کی عالمی بساط پر مغربی سامراج کے مہرے بنتے چلے گئے۔

یوں تو ان تمام سازشی عناصر کے خلاف الگ الگ مستقل کتابیں لکھی جاسکتی ہیں مگر میں زیر قلم تحریر میں صرف مرزائیوں کی "نجمی اسرائیل" کے لئے کی جانے والی سازشوں اور کاوشوں پر اپنے قلم کا نشتر استعمال کروں گا کیونکہ کشمیر کی صورتحال آج انتہائی نازک موڑ سے گزر رہی ہے "نجمی اسرائیل" کے قیام کی سازشوں کا پردہ چاک کرنے اور انہیں ناکام بنانے کے لئے "قلم" اور "گن" دونوں کا استعمال ضروری ہے اور ان میں سے ہر دو کی اہمیت اپنے اپنے مقام پر مسلم ہے اور ایسے نازک موقعوں پر ان دونوں چیزوں کا استعمال جہاں اشد ضروری ہے وہاں "حد درجہ احتیاط" بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کیونکہ سطح قرطاس پر صحافی کا "قلم" اور میدان جنگ میں سپاہی کا "قدم" یہ اگر ذرہ سی لغزش کر جائیں تو آنے والی نسلوں کو ناقابل تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مسئلہ کشمیر کیا ہے؟

مسئلہ کشمیر دراصل غلامی کے اس طوق کا نام ہے جو گزشتہ ایک سو پینتالیس برس سے کشمیری مسلمان کو نسلاً بعد نسل ورثے میں ملتا چلا آرہا ہے۔ یہ سولہ مارچ ۱۸۴۶ء کا دن تھا جب راجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے ایک جرنیل جنرل گلاب سنگھ نے برطانوی حکومت کے اشارے پر اپنی قوم سے غداری کرتے ہوئے پنجاب پر یونین جیک لہرانے کے مشن کے لئے راہ ہموار کی اور اس کے صلے میں ریاست کشمیر کو برطانیہ سے پچھتر لاکھ میں خرید لیا' جب نو مارچ ۱۸۴۶ء کو انگریز کے ساتھ شکست خوردہ سکھوں کا معاہدہ ہوگیا تو پندرہ مارچ ۱۸۴۶ء کو جنرل گلاب سنگھ نے انگریز کے ساتھ ایک الگ معاہدہ کشمیر کے سودے سے متعلق کرلیا اور یہی وہ معاہدہ ہے جو بعد میں بیعہ نامہ امرتسر کے نام سے مشہور ہوا۔ معاہدے میں طے ہونے والی رقم کی ادائیگی کے متعلق یہ طے پایا کہ۔

"مہاراجہ گلاب سنگھ برطانوی حکومت کو پچھتر لاکھ روپیہ

(نانک شاہی) پچاس لاکھ اس صلح نامہ کے شروع ہوتے وقت اور پچیس لاکھ یکم اکتوبر ۱۸۴۶ء کو یا اس سے پہلے دے دیں۔"
(اقتباس از بیعہ نامہ امرتسر دفعہ نمبر ۳)

کشمیر میں آگ اور خون کی ہولی کیوں شروع ہوئی؟

کشمیری مسلمان کی غلامی نے وہ انگڑائی کیوں لی' جس سے غلامی کی زنجیریں تار عنکبوت کی طرح ٹوٹنے لگیں اور وہ کونسا سبب تھا جس کی بنا پر کشمیری مسلمان نے صد سالہ غلامی کے منہ پر تیرہ جولائی ۱۹۳۱ء کو حریت کا ایسا گھونسہ رسید کیا کہ ڈوگرہ شاہی کا ایوان اقتدار جھنجنا اٹھا۔

ان سوالات کا جواب حاصل کرنے کے لئے جب میں تاریخ کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوتا ہوں تو مجھے اس سمندر کی تہ میں چوالیس سالوں کی کائی تلے دبا ہوا کشمیر کی ڈوگرہ شاہی کا مرتب کردہ آئین جھانکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جسے اٹھا کر جب میں ساحل پر لاکر اس کا جائزہ لیتا ہوں تو انکشاف ہوتا ہے کہ یہی ہے وہ سبب جس نے کشمیری مسلمانوں کو جہاد پر مجبور کیا' کیونکہ اسی آئین کی ایک ایک شق کشمیری مسلمان کو غلامی کے جال میں جکڑے ہوئے نظر آتی ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل شقیں آپ کی معلومات کے لئے پیش خدمت ہیں۔

شق (۱) اگر کوئی غیر مسلم اپنا آبائی مذہب تبدیل کرکے مسلمان ہو جائے تو اس کی تمام جائیداد بحق مہاراجہ ضبط کرلی جائے گی اور وہ اپنے خاندانی حقوق سے محروم سمجھا جائے گا' اس جرم میں وہ شخص بھی سزاوار ہوگا جو کسی غیر مسلم کو اسلام کی تبلیغ کرے۔

شق (۲) مسلمان نہ تو قلم کے ذریعے اپنا موقف پیش کرسکتے ہیں اور نہ ہی انہیں زبان کی آزادی حاصل ہوگی۔

شق (۳) فوج اور دوسرے سرکاری محکموں میں بھی مسلمانوں کو ان کی تعداد کے باوجود کم عمل دخل ہوگا۔

شق (۹) بھیڑ بڑی ہو یا بچہ' بکری بڑی ہو یا بچہ دو روپے سات آنے فی جانور وصول کیا جائے گا' جبکہ غیر مسلم وہی پر ادا کریں گے یعنی تین آنے فی جانور۔

شق (۸) میں درج تھا "ریاست کی حدود میں گاؤ کشی جرم ہے۔ کوئی ایسا کرے گا وہ سات سال قید اور جرمانہ کی سزا کا مستحق ہوگا۔"

یہ چند اقتباسات مشتے از خروارے کے طور پر پیش کئے گئے ہیں ورنہ ڈوگرہ شاہی کے اس آئین کی ایک ایک شق مسلمانوں کو مجبور و بے بس کرنے کی غرض سے بنائی گئی تھی۔

مرزائی کشمیر میں دلچسپی کیوں لیتے ہیں؟

کشمیر میں مرزائیوں کی دلچسپی کے اسباب مشہور مرزائی مصنف دوست محمد شاہد نے اپنی کتاب "تاریخ احمدیت" میں مندرجہ ذیل لکھے ہیں۔

(۱) وہاں مسیح اول مدفون ہیں اور مسیح ثانی (غلام احمد) کے پیروؤں کی بڑی جماعت آباد ہے

(۲) وہاں تقریباً اسی (۸۰) ہزار احمدی ہیں۔
(الفضل ۶ جون ۱۹۳۵ء ص ۷ '۲۳ فروری ۱۹۵۷ء ص ۳)

(۳) جس ملک میں دو مسیحوں کا دخل ہو اس ملک کی فرمانروائی کا حق احمدیوں کو پہنچتا ہے۔

(۴) مہاراجہ رنجیت سنگھ نے نواب امام الدین کو گورنر بنا کر کشمیر بھیجا تھا تو مرزا غلام احمد کے والد ان کے ساتھ بطور مددگار گئے تھے۔

(۵) حکیم نور الدین خلیفہ اول مرزا محمود کے استاذ اور خسر شاہی حکیم کے طور پر کشمیر میں ملازم رہے تھے

(تاریخ احمدیت جلد ششم 'تلخیص از ص ۴۲۵ تا ص ۴۲۹)

مرزائیت کشمیر میں کب اور کیسے پہنچی؟

آخر یہ تحریک کشمیر میں کب اور کیسے پہنچی؟ ان سوالات کے جوابات ہمیں مرزائیوں ہی کے ایک اور مصنف اسد اللہ قریشی سے ملتے ہیں' وہ لکھتے ہیں۔

"ریاست میں اشاعت احمدیت کی تفصیل یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے شاہی طبیب مولانا حکیم نور الدین خلیفۃ المسیح اول نے ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء میں بیعت کی۔ آپ کی بیعت کے بعد آپ کے ہم نام خلیفہ نور الدین جموں نے اغلباً ۱۸۹۱ء یا ۱۸۹۲ء میں بیعت کی۔ ان کے بعد راجہ حیدر خان باڑی پورہ اور راجہ عطا محمد خان چک ایرچھ (باڑی پورہ) نے بیعت کی' راجہ عطا محمد والی کرناہ' راجہ شیر محمد خان کی اولاد میں سے تھے' انہوں نے بیعت کے بعد صحن خانقاہ باڑی پورہ میں ۲ محرم الحرام ۱۸۹۸ء اشاعت دعویٰ مسیح موعود کی غرض سے جلسہ منعقد کیا۔ راجہ عطا محمد خان صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیعت لینے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ شام تک اس جلسہ کے بعد اسی آدمی بیعت کر کے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے۔ راجہ عطا محمد اور مولوی عبدالرحمان کی وجہ سے چک ایرچھ' باڑی پورہ' نوشہری' براٹل' بونس' بوگام وغیرہ میں رفتہ رفتہ احمدیت پھیل گئی

(تاریخ احمدیت جموں و کشمیر ص ۱۵ ص ۱۹)

(الحکم قادیان جون ۱۸۹۸ء)

مرزائی مصنف کی لکھی ہوئی مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات تو سامنے آ گئی کہ کشمیر پر مرزائیت کی یلغار کب اور کیسے ہوئی؟ اب آیئے آگے چلیں۔

تحریک آزادی کا آغاز!

کشمیر کی تحریک آزادی شروع ہونے کا بنیادی سبب تو وہ تھا جو ماقبل میں گزرا' یعنی ڈوگرہ شاہی کا مرتب کردہ آئین' جو درحقیقت کشمیری مسلمان کے لئے عفریت سے کم نہ تھا۔ مگر کچھ چیزیں ایسی ہوا کرتی ہیں جو وقتی عوامل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جیسے سابقہ سوویت یونین کا شیرازہ اس لئے بکھرا کہ وہاں کے عوام مظالم سے تنگ آ گئے تھے۔ مگر وقتی طور پر آزادی کی اس تحریک کا عامل جہاد افغانستان بنا' اسی طرح سے کشمیری مسلمان کی تحریک آزادی کے بھی کچھ عوامل تھے۔ مثلاً"

(۱) ۱۹۲۵ء میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے لاولد مرنے کے بعد اقتدار پرتاپ سنگھ کے بھتیجے ہری سنگھ کو سونپ دیا گیا۔ ہری سنگھ کے متعلق تاریخ کے اوراق خبر دیتے ہیں کہ جب وہ پیرس میں تھا تو اس کی عیاشانہ فطرت اسے ایک اوباش عورت (سادہ الفاظ میں کنجری) کی دہلیز پر لے گئی۔ نتیجہ یہ کہ وہ عورت امید سے ہو گئی۔ یہ راز جب پیرس کے صحافیوں پر منکشف ہوا تو انہوں نے اس کو خوب ہوا دی۔ آخر کار بات عدالت تک پہنچی اور مہاراجہ کو بائیس لاکھ روپے ادا کر کے اپنی گلوخلاصی کروانی پڑی' لیکن پیرس سے آتے ہی مہاراجہ نے سارا غصہ انگریز پر اس طرح اتارا کہ انگریز ریذیڈنٹ کو بمعہ یونین جیک کے ریاست سے نکال باہر کیا' جس پر انگریز کا خار کھانا اور پھر مہاراجہ سے ذہنی ٹکراؤ ایک منطقی نتیجہ تھا۔

(۲) ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو انقلاب روس کے بعد وسطی ایشیاء میں روسی اقتدار کا خدشہ اس قدر قوی ہوا کہ برطانیہ کو ہندوستان میں اپنا وجود خطرے میں محسوس ہوا' کیونکہ روس افغانستان' ایران اور چین کے شمالی علاقہ جات پر قابض ہو کر چین کے شہر سنکیانگ کے راستے وادی کشمیر پر حملہ آور ہو کر ہندوستان سے برطانوی اقتدار کی بساط لپیٹ سکتا تھا' ایک طرف تو یہ صورتحال تھی دوسری طرف پہلی جنگ عظیم کے بعد برصغیر کے عوام برطانیہ سے جان چھڑانے کے لئے تحریکیں اٹھا رہے تھے۔ جنہیں روس بھرپور طریقے سے "سپورٹ" کر رہا تھا اور روس کے پاس برطانیہ کے خلاف یہی سب سے بڑا ہتھیار تھا چنانچہ ان خطرات کے پیش نظر کشمیر پر از سر نو قبضہ جمانا برطانیہ کی شدید ضرورت تھی کیونکہ روس اور چین کے ملحقہ علاقے کشمیر کی حدود میں تھے۔ بیعہ نامہ امرتسر کی وجہ سے براہ راست قبضہ برطانیہ کے لئے مشکل تھا اور رضاکارانہ طور پر مہاراجہ ایک انچ جگہ بھی برطانیہ کو دینے کے لئے تیار نہ تھا۔

(۳) کشمیری وزیراعظم سر ہنوز جی کی جگہ کرنل کالون کو وزیراعظم بنا دیا گیا (تاکہ صورتحال کو انگریز کی منشاء کے مطابق کنٹرول کرے) جبکہ محکمہ تعلیم کا انسپکٹر خواجہ جمال الدین (مرزائی) تھا' اس وجہ سے محکمہ تعلیم پر ان کا بڑا اثر تھا۔

(۴) ایک انگریز آفیسر کشمیر کی سیر کے لئے ریاست پہنچا' اس کے ساتھ ایک خانساماں عبدالقدیر نامی تھا یہ عبدالقدیر سری نگر کی جامع مسجد پہنچا اور وہاں ایسی اشتعال انگیز تقریر کی کہ ۲۶ جون ۱۹۳۱ء کو حکومت اسے گرفتار کر لیتی ہے اور پھر جب ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو ہری پربت جیل میں اسے سزا سنائی گئی تو اس پر مسلمانوں نے احتجاجی جلوس نکالا جس پر پولیس نے گولی چلا دی (یہ تقریر اور یہ سیرو تفریح انگریز کے اشارے پر تھی کیونکہ اس کے بعد یہ انگریز آفیسر اور اس کا خانساماں تحریک آزادی کشمیر کے کسی موڑ پر نظر نہیں آئے)

(۵) ۶ جون ۱۹۳۱ء کو ایک مسلمان دوکاندار اپنی دوکان میں تلاوت کر رہا تھا کہ ایک ہندو انسپکٹر نے قرآن اس کے ہاتھ سے چھین کر زمین پر پھینک دیا۔ ظاہر ہے کہ اس سے بھی اشتعال پھیلنا تھا۔

(۶) مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔

"انہوں نے یقیناً" مسیح کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے اور اللہ زبردست حکمت والا ہے

(عرہ۵ سورۃ نساء)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ضرور بالضرور تم میں ابن مریم نزول فرمائیں گے جو ایک عادل حاکم ہوں گے۔"

(بخاری و مسلم)

جبکہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے۔

"اور یہی سچ ہے کہ مسیح فوت ہو چکا ہے سری نگر محلہ خانیار میں اس کی قبر ہے۔"

(روحانی خزائن ص ۱۷۲ ج ۱۹)

چنانچہ جب تک مرزائی کشمیر پر قابض نہ ہوں ان کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا۔

اب ان چھ کڑیوں کو جوڑا جائے تو نقشہ خود بخود تیار ہو جائے گا کہ کشمیر میں تحریک کیسے شروع ہوئی۔

لیکن یہ کیا۔؟؟؟ برطانوی حکومت کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حالات ایسا رخ اختیار کریں گے کہ پنجاب کا مسلمان کشمیر کی طرف متوجہ ہو جائے گا' مگر یہ انہونی ہو کر رہی' کشمیری مسلمانوں کی درد بھری چیخیں جب کشمیر کے برف پوش پہاڑوں پر سے ہوتی ہوئی پنجاب کے میدانوں تک پہنچیں تو پنجاب کے مسلمان نے وحدت ملی کا ثبوت دیتے ہوئے ریاست کا رخ کیا۔ چنانچہ اس صورتحال سے جہاں ڈوگرہ شاہی کو اپنے محلات حریت کے اس طوفان کے جھکڑوں کے زد میں آتے ہوئے محسوس ہوئے' وہیں برطانوی حکومت کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں حریت کا یہ طوفان کشمیر کی وادیوں سے نکل کر ہند کا رخ نہ کر لے اور ہندوستان پر لہرانے والے ہمارے یونین جیک کی "اڑانوں" اور اقتدار کے "ایوانوں" کو اپنی زد میں لے کر انہیں سات سمندروں میں نہ پھینک دے جن کو عبور کر کے وہ آئے ہیں' چنانچہ برطانوی حکومت نے جیسے ہی فضاء میں خطرے کی بو محسوس کی تو اس نے پنجاب کے مسلمان کا راستہ روکنے کا فیصلہ کیا' اس سلسلے میں کشمیر کی بساط پر اپنے مہروں کے طور پر انگریز کی نظر انتخاب اپنے خود کاشتہ پودے مرزائیت اور رجعت پسند مسلمانوں پر پڑی' چنانچہ ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو برطانوی ہند کے رجعت پسند مسلمان میاں سر فضل حسین کی دعوت پر شملہ میں جمع ہوئے' جنہوں نے وہاں کشمیر کمیٹی کی بنیاد رکھی ان میں نواب ذوالفقار علی' علامہ محمد اقبال' نواب ابراہیم علی خان' خواجہ حسن نظامی' خان بہادر رحیم بخش' سید محسن علی شاہ ایڈووکیٹ' مولانا محمد اسماعیل غزنوی' مولانا سید حبیب ایڈیٹر روزنامہ سیاست' مولوی انوار الحق ایڈیٹر مسلم آؤٹ لک اور مرزا بشیر الدین محمود قادیانی نمایاں تھے۔ ان حضرات نے مرزا بشیر الدین محمود کو کشمیر کمیٹی کا صدر اور عبدالرحیم درد مرزائی کو جنرل سیکرٹری مقرر کیا اور ساتھ ہی ساتھ ۱۴ اگست کو یوم کشمیر منانے کا فیصلہ کیا۔ مرزا بشیر الدین نے انتہائی عجلت میں ہندوستان کے ان تمام مسلمان رہنماؤں کو جو شملہ کے اجلاس میں موجود نہیں تھے اطلاع بھیجی کہ آپ کو کشمیر کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال بھی اس کمیٹی میں شامل ہیں۔ یہ سب کچھ برطانیہ اس لئے کر رہا تھا کہ اسے کشمیر پر قبضہ درکار تھا اور مرزائی اس لئے سرگرم عمل تھے کہ وہ بھی کشمیر پر حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہاں مرزائی نہایت مکروہ چال چلنے لگے تھے مرزا بشیر الدین مسلمان رہنماؤں کو کشمیر کمیٹی کا رکن اس لئے نامزد کر رہے تھے کہ جب یہ حضرات ہمارے ساتھ مل کر کام کریں گے تو عوام میں یہ تاثر قائم ہو جائے گا کہ مرزائی مسلمان ہیں'

اگر یہ مسلمان نہ ہوتے تو علامہ اقبال سمیت دیگر مسلم لیڈر ان کا ساتھ کیوں دیتے اور چونکہ ہر تحریک کا لیڈر عوام کی دلوں کی دھڑکن ہوا کرتا ہے اور یہاں مرزا بشیر الدین لیڈر تھا تو ایسی صورت میں جہاں کشمیر کے ۳۲ لاکھ مسلمانوں کے مرزائی بن جانے کا خدشہ تھا وہاں عالمی سطح پر بھی مسلمانوں پر اس کے اثرات مرتب ہوتے' صورتحال کی نزاکت کو مدنظر رکھ کر احراری لیڈر علامہ اقبال سے ملے اور ان پر واضح کیا کہ اگر کشمیر کے ۳۲ لاکھ مسلمان مرزائی ہو گئے تو قیامت کے دن اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔

علامہ اقبال کے سامنے جب یہ بات آئی تو اس کے اگلے روز برکت علی ہال لاہور میں کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا تھا اس میں علامہ اقبال نے مسلمان ارکان پر اپنا اثر استعمال کر کے مرزا بشیر الدین کو کشمیر کمیٹی سے الگ کر کے صدارت خود سنبھال لی۔ جس سے وہ ۳ اگست ۱۹۳۱ء کو الگ ہو گئے اور تحریک آزادی کشمیر کی ذمہ داری احرار کے سپرد کر دی۔ احرار نے پنجاب کے مسلمانوں کو بیدار کر کے آزادی کشمیر کے لئے ایسے بے مثال کارنامے انجام دیئے کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے' سچ تو یہ ہے کہ۔

مذہب کی محبت میں ان آشفتہ سروں نے
وہ قرض چکائے ہیں جو واجب بھی نہیں تھے

احرار نے جب تحریک کا آغاز کیا تو ریاست کشمیر کے لیڈروں نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا' جن میں شیخ عبداللہ پیش پیش تھے اور وہ جو کچھ کر رہے تھے وہ سب مرزائیوں کے اشارے پر تھا' اسی بناء پر مہاراجہ اور کشمیری وزیراعظم کے حوصلے بلند تھے۔ جب احراری تحریک میں تیزی آئی اور انگریز اور ڈوگرہ کو اس کا احساس ہوا تو انہوں نے کشمیری لیڈروں کے ساتھ اپنی عارضی صلح کا سوانگ رچا کر کشمیری مسلمانوں کو گمراہ کیا اور یوں تحریک کی ناکامی کا آغاز ہوا۔ ۳۰ اگست ۱۹۳۱ء کو اخبارات میں مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی۔

"سیاسی باشندوں اور مہاراجہ کے درمیان عارضی صلح ہو گئی ہے جس کی بناء پر تمام گرفتار شدگان کو ضمانت پر رہا کیا جاتا ہے۔"

مرزائیوں نے تحریک کو کیسے ناکام کیا؟

کشمیری لیڈر دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے' ایک گروپ جموں کا تھا دوسرا سری نگر کا' جموں میں چوہدری غلام عباس کے والد چوہدری نواب خان لاہوری مرزائی تھے اور ان کے ساتھی مستری یعقوب علی قادیانی تھا۔ جموں میں تحریک کو انہوں نے نقصان پہنچایا کیونکہ ان کی ڈوریں مرزا بشیر الدین کے ہاتھ میں تھیں۔ سری نگر میں شیخ عبداللہ کے مشیر انجمن احمدیہ سری نگر کا مولوی عبداللہ اور غلام نبی گلکار قادیانی تھے اور ان کے مقابل مولوی یوسف میرواعظ کا گروپ تھا مگر ان کو یہ کہہ کر احرار سے بدظن کیا گیا کہ اگر احرار کے وفد کو (جو کشمیری حکومت سے مذاکرات کے لئے ریاست میں موجود تھا) اہمیت دی گئی تو حکومت ناراض ہو جائے گی۔ جس سے کشمیر کے کاز کو نقصان پہنچے گا۔ ادھر قادیان نے ایک طرف اخبارات میں اپنے کارکنوں کو ایک سرکلر کے ذریعے احرار سے تعاون کا حکم دیا اور پس پردہ سینکڑوں ہرقی پیغام پہنچائے گئے کہ۔

"اب ریاست میں ہر طرح کا امن وامان ہے لہٰذا باہر سے آکر یہاں کسی قسم کی تحریک نہ چلائی جائے۔"

اس کی تائید عبدالرحیم درد کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے۔

"کشمیر کے تمام بہی خواہ اور ہمدردوں کو اس عہد کی پابندی کرنی چاہئے جو مسلم نمائندگان کر چکے ہیں اور اس قسم کے افعال سے اجتناب کریں جن سے امن وامان کی فضاء میں خلل پیدا ہونے کا امکان ہو۔"

(روزنامہ انقلاب ۱۵ ستمبر ۱۹۳۱ء)

مرزائیوں کی ان حرکات نے کشمیری مسلمانوں کو الجھائے رکھا اور نتیجتاً "۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کو رات ۹ بجے ڈوگرہ فوج کے انگریز کرنل آر او سیڈرلینڈ نے سری نگر میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔

کیا شیخ عبداللہ مرزائیوں کا ایجنٹ تھا؟

اس سوال کے جواب کے لئے کچھ کڑیاں میں پیش کرتا ہوں انہیں جوڑ کر لڑی آپ تیار کریں۔

(۱) "میں یہ حق نہیں رکھتا کہ انہیں روک دوں یا ان کے مذہبی عقائد کے باعث انہیں جماعت سے خارج کر دوں کیونکہ یہ احمدیت کا دور ہے۔"

(شیخ عبداللہ کا بیان روزنامہ انقلاب ۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(۲) ربوہ کے دفتر امور عامہ سے برآمد ہونے والے طویل خط کے خاص خاص حصے پیش خدمت ہیں۔

"میں نے آپ کے خط کے تیسرے نکتے کو بڑی مسرت اور دلچسپی کے ساتھ نوٹ کیا ہے۔ باور کیا جاتا ہے کہ آپ نے جو انتظامات کئے ہیں ان کے ذریعے ہم بڑی مفید امداد حاصل کر سکتے ہیں۔ میں اس موقع کا ایک عرصہ سے منتظر تھا۔ میری کوششیں بھی ہمیشہ یہی رہی ہیں میں بھی اکثر اوقات اپنے معاملات پوری طرح ہی (برٹش) گورنمنٹ کے ساتھ طے کر لیا کرتا تھا۔ آپ جن لوگوں کو بھیجیں گے انہیں پوری طرح سمجھا دیا جائے کہ ہر قسم کی مخالفت سے گریز کریں۔ اور یہ تمام مسلمانوں کو ایک راستے میں یا بڑھ کر آپ کے پرچم (قادیانی جھنڈے) کے نیچے لا کھڑا کرے گا۔ ایم مولوی عبداللہ صاحب (مرزائی وکیل) اور صوفی صاحب (صوفی عبدالاحد قادیانی مبلغ) اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ جہاں تک مسٹر عبدالرحیم کا تعلق ہے وہ ضرورت کے وقت ہم سے آملے گا۔"

(فقط آپ کا اپنا ایس ایم عبداللہ'

ایم ایس سی) ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء)

(۳) ۱۷ نومبر ۱۹۳۳ء کو شیخ عبداللہ امرتسر پہنچے تو ان کا قیام اسماعیل غزنوی کے مکان پر رہا حالانکہ امرتسر میں لاکھوں کشمیری خاندان آباد تھے۔ اسماعیل غزنوی حکیم نور الدین خلیفہ اول کے حقیقی نواسے تھے اور اس کی خالہ مرزا بشیر الدین کی بیوی تھی۔

(۴) انقلاب کشمیر کے مصنف سید غلام حسن کاظمی رقمطراز ہیں۔

"قادیان سے شیخ عبداللہ کا بڑا ربط و ضبط تھا اور لوگوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ شیخ عبداللہ خود بھی قادیانی ہیں۔"

(انقلاب کشمیر ص ۹)

(۵) شیخ عبداللہ ایک وفد لے کر احراری وفد کے لیڈر خواجہ عبدالرحمان غازی سے سرکاری ریسٹ ہاؤس بوٹ میں ملے۔ شیخ عبداللہ کہنے لگے۔ "آپ لوگ باہر سے آکر ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں ہم حکومت سے نمٹ لیں گے۔" امیر غازی صاحب نے کہا۔ "آپ لوگوں نے اپنے کوئی مطالبات مرتب کئے ہیں جو آپ حکومت کو پیش کریں گے۔" شیخ عبداللہ نے کہا۔ "جی ہاں۔" یہ سن کر غازی صاحب نے خواجہ غلام محمد سے کہا۔ "میرے اٹیچی کیس میں پڑے ہوئے کاغذات اٹھا لائیں۔" وہ کاغذات غازی صاحب نے شیخ عبداللہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مطالبات تو نہیں جو آپ پیش کر رہے ہیں؟" شیخ عبداللہ کا رنگ فق ہو گیا اور ان کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "یہ آپ کے پاس کیسے پہنچے۔" غازی صاحب کہنے لگے۔ "جہاں سے آپ کے پاس پہنچے۔" یہ مطالبات سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے مرتب کئے تھے۔ جو ذیل میں پیش خدمت ہیں۔

(۱) کشمیر میں ایک مشاورتی مجلس قانون سازی مقرر کی جائے۔ جس کی ترتیب کچھ انتخاب سے اور کچھ نامزدگی یا بلاواسطہ انتخاب سے عمل میں آئے (تاکہ مرزائی گھس سکیں)

(۲) تعلیم کے معیار اور اس کے ذرائع کی ترقی پر توجہ دی جائے۔

(۳) ریاست کے تمام باشندوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کیا جائے۔

۴: پولیس کو از سرنو منظم کیا جائے۔

۵: فی الحال ریاستی کابینہ میں ایک برطانوی وزیر رکھا جائے

۶: ترقی کی حکمت عملی کے متعلق ایک اعلان کیا جائے۔

یہ ہیں وہ مطالبات جو برٹش گورنمنٹ اور مرزائیوں کے مفادات کو پیش نظر رکھ کر تیار کئے گئے تھے اور جو شیخ عبداللہ نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پیش کر کے کشمیر کی تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا۔

(۶) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ۔

"بعد میں شیخ صاحب نے مرزائیوں سے تعلق ختم کر لیا تھا' ایسے حضرات اس کا کیا جواب دیں گے۔"

غالباً "۱۹۴۷ء کی بات ہے شیخ عبداللہ صاحب لمبی قید سے رہائی پانے کے بعد انگلستان کے دورے پر آئے اور پھر اس لحاظ سے بھی کہ خاکسار محترم شیخ صاحب کی خدمات جلیلہ سے واقف تھا کہ انہوں نے جماعت احمدیہ کے دوسرے امام مرزا

بشیر الدین محمود کی زیر ہدایت اور ان کے ساتھ مل کر کشمیریوں کی ڈوگرہ راج کے چنگل سے آزادی کے لئے جدوجہد کا کام کیا تھا۔۔۔۔ (شیخ صاحب) فرمانے لگے "میری خود شدید خواہش تھی کہ انگلستان میں جماعت احمدیہ سے رابطہ کروں۔" مرزا بشیر الدین محمود کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے بتایا کہ "ان کی صحت بہت خراب ہے۔" شیخ صاحب کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ انہوں نے جیب سے رومال نکال کر کچھ دیر آنکھوں پر رکھا۔۔۔ (اور کہا) ان کی خدمت میں میرا محبت و عقیدت بھرا اسلام لکھیں اور میرا پیغام بھجوائیں کہ "آپ کی یاد ایک لمحہ کے لئے میرے دل سے محو نہ ہو سکی۔"

(الفضل ۹ دسمبر ۱۹۶۹ء ص ۳)

(۷) سر سکندر حیات خان کے گھر پر ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء کو ایک میٹنگ ہوئی جس میں احرار کی طرف سے چوہدری افضل حق، مسلم لیگ کے ملک برکت علی اور کشمیر کمیٹی کے مرزا بشیر الدین شریک تھے۔ چوہدری افضل حق نے کہا۔ "احرار چاہتے ہیں کہ پنجاب کی طرح کشمیر میں ایک آئین نافذ کیا جائے۔ وہاں کے باشندوں کو ووٹ کا حق دیا جائے۔" اس پر مرزا بشیر الدین نے کہا۔ "کشمیر کا مسلمان ابھی آئین قبول کرنے کے حق میں نہیں ہے۔" بڑی لے دے کے بعد طے پایا کہ کشمیر میں آئین ہونا چاہئے مگر مرزا بشیر الدین نے اس قرارداد کو مسترد کر دیا اور گلینسی کمیشن کے تقرر کو حق بجانب قرار دیا۔ اسی دن شیخ عبداللہ نے کشمیر میں گلینسی کمیشن کو منظور کرلیا۔

یہ ہیں شیخ عبداللہ اور مرزائیوں کے تعلق کے متعلق سات مدلل ثبوت۔ فیصلہ آپ کریں کہ شیخ عبداللہ کیا تھا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ کشمیر کو برطانیہ مہاراجہ اور بعد میں بھارت نے برباد کیا ہے۔ مگر شیخ عبداللہ کو پیش نظر رکھ کر میں یہی کہوں گا۔

لوگ کہتے ہیں ہمیں کیا ہے پرائیوں نے تباہ
بندہ پرور کہیں اپنوں ہی کے یہ کام نہ ہوں

انگریز کی کشمیر میں مداخلت

احرار کی تحریک کے بعد برطانیہ کو بوجہ کشمیر میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آئی۔ ایک وجہ تو وہ تھی جو ماسبق میں گزری اور دوسری یہ کہ احرار کی تحریک کے سیلاب نے ہندوستان کے ساحل تک رسائی حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ ۴ نومبر ۱۹۳۱ء کو گورنر جنرل ہند نے ایک آرڈیننس جاری کیا۔ اس آرڈیننس کے نافذ ہوتے ہی اگلے روز مہاراجہ نے انگریز کی فوج کو ریاست میں داخلے کی اجازت دے دی۔ مرزائیوں کی چالوں سے تحریک کو نقصان تو پہنچ ہی گیا تھا مگر احرار کی سرگرمیاں کم نہ ہو رہی تھیں چنانچہ انہیں روکنے کے لئے نیا حربہ آزمایا گیا حکومت نے اپنا ایک وفد جو سید حسن امام، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد، شیخ صادق حسن اور سیٹھ عبداللہ ہارون پر مشتمل تھا، تیار کیا اور اخبارات میں اعلان کروا دیا کہ یہ وفد احرار سے مصالحت کرے گا۔ حکومت کا یہ اعلان جب بورسٹل جیل کے برجیوں سے ٹکرا کر احاطہ جیل میں گرا تو اگلے روز احراری لیڈروں نے جیل ہی سے اعلان داغ دیا کہ جب تک ریاست کشمیر سے انگریزی فوجیں نہیں نکالی جاتیں احرار کسی مصالحتی گفتگو میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس اعلان کے فوراً" بعد کشمیر میں مرزائیوں کی ذیلی تنظیم "ینگ مین مسلم ایسوسی ایشن" نے مہاراجہ کو تار بھیجا کہ "ابھی برطانوی فوجوں کو سری نگر سے واپس نہ کیا جائے۔" اس کی تائید میں عبدالرحیم درد نے حکومت ہند کو تار دیا۔

"چونکہ احرار کا ایک مطالبہ یہ بھی ہے کہ کشمیر سے گورنر راج کو فوراً" واپس لیا جائے لہذا ہماری درخواست ہے کہ ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔"

(روزنامہ اسٹیٹس مین ۲۲ نومبر ۱۹۳۱ء)

ایک طرف مرزائی یہ کوششیں کر رہے تھے کہ حکومت احرار کے آگے گھٹنے نہ ٹیکے مگر دوسری طرف لندن میں کانگریس اور برطانوی حکومت کی گول میز کانفرنس ناکام ہو گئی جس پر برطانیہ کو یقین تھا کہ اب کانگریس اور حکومت ہند کے مابین جھگڑا شروع ہو گا جس کے لئے جیلوں کا خالی ہونا ضروری تھا اور صورتحال یہ تھی کہ جیلیں ۳۵ ہزار احراری قیدیوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اب ایسی صورت میں حکومت کو احرار سے مصالحت کرنے کی شدید ضرورت پیش آئی، اس کے لئے مفتی کفایت اللہ دہلوی کا تعاون حاصل کیا مگر بے سود۔ احرار کا مطالبہ ایک آزاد اور ذمہ دار اسمبلی کا تھا مگر برطانیہ مہاراجہ اور مرزائی اس کے لئے تیار نہ تھے بلکہ وہ جو اسمبلی چاہتے تھے وہ یوں تھی۔

(الف) اسمبلی کی ساٹھ نشستوں میں سے ستائیس نامزد ممبروں کے لئے اور تینتیس منتخب ممبروں کے لئے ہیں۔ ان میں صرف ۲۰ نشستیں مسلمانوں کے لئے تجویز کی گئی ہیں۔

(ب) اسمبلی کا صدر سرکاری عہدیدار ہو گا۔

(ج) ممبران کا کام صرف مشورہ دینا ہو گا۔

یہ وہ چور دروازے ہیں جو گلینسی کمیشن نے مہاراجہ برطانوی نمک خوروں اور مرزائیوں کے لئے رکھے تھے۔ رہے کشمیری کاز سے مخلص ممبران تو انہیں غیر موثر رکھنے کے لئے شق ج رکھ دی گئی تھی۔ ۲ اکتوبر ۱۹۳۱ء سے ۹ جون ۱۹۳۲ء تک کی احرار کی تحریک کشمیری مسلمان کو آزادی تو نہ دلا سکی مگر اتنا ضرور ہوا کہ۔

(۱) کشمیر کا شتکار کے پاس زمین تو تھی مگر ملکیت نہیں، احرار کی تحریک کے نتیجے میں اسے ملکیت مل گئی۔

(۲) پچاس فیصد لگان صرف پانچ فیصد رہ گیا۔

(۳) تقریر و تحریر و جماعت بنانے کی اجازت مل گئی۔

(۴) اخبار نکالنے و آزادی اظہار پر پابندی ختم ہو گئی۔

(۵) آزاد اسمبلی کا وجود تسلیم کرلیا گیا (اگرچہ برائے نام تھی) ورنہ اس سے قبل تو یہ مطالبہ ہی جرم تھا۔ اس تحریک نے اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں اس وقت پھر زور پکڑا جب ریاست میں بیت زنی کی ظالمانہ سزاؤں کے ذریعے ظلم کی نئی تاریخ رقم کی جا رہی تھی۔ ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۲ء تک مہاراجہ کو ظالم قرار دے کر اس سے آزادی کا مطالبہ ہوتا رہا مگر چوہدری غلام عباس نے مسلم کانفرنس کے ایک اجلاس میں قرارداد منظور کی کہ۔

"گلینسی کمیشن کی رپورٹ کے باوجود مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے لہذا ہماری تجویز ہے کہ مہاراجہ کے زیر سایہ جمہوری نظام نافذ کیا جائے۔"

(روزنامہ انقلاب ۱۵ فروری ۱۹۳۲ء)

جمہوریت کا مطالبہ، وہ بھی مہاراجہ کے زیر سایہ۔

میر بھی کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا مانگتے ہیں

بیت زنی کی سزاؤں نے صورتحال اس قدر ناگفتہ بہ کر دی تھی کہ علامہ اقبال نے اس پر حکومت ہند کو تار دیا اور احرار نے تحریک کو از سر نو منظم کرنے کے لئے اجلاس شروع کر دیئے۔ یہی وہ سال ہے جب احرار مرزائیوں کے گڑھ قادیان میں داخل ہوئی چنانچہ مرزائیوں نے بھی از سر نو اپنے کیل کانٹے تیز کرنے شروع کر دیئے، لاہور کے "نورین ہوٹل" میں پچیس مارچ ۱۹۳۲ء کو ایک اہم اجلاس ہوا جس میں عبدالمجید سالک، غلام رسول مہر، شیخ نیاز علی، پروفیسر علیم الدین سالک، چوہدری اسد اللہ (سر ظفر اللہ کا بھائی) جلال الدین شمس مرزائی شریک ہوئے۔ اس کمیٹی کا دوسرا اجلاس اسی ہوٹل میں ۲۸ مارچ کو پھر ہوا۔ جس میں مرزا بشیر الدین کو صدر منتخب کیا گیا اور قرارداد منظور کی گئی کہ کشمیر کمیٹی کو اپنا کام پھر شروع کر دینا چاہئے۔ محض اس لئے کہ اس کمیٹی اور علامہ اقبال کی کمیٹی میں امتیاز ہو سکے۔ کمیٹی ہذا کا نام "آل انڈیا ایسوسی ایشن" تجویز کیا جاتا ہے

(روزنامہ انقلاب یکم اپریل ۱۹۳۲ء)

اس تحریک کے دوران ۹ مارچ ۱۹۳۲ء کو یوم کشمیر منانے کا اعلان کیا گیا اور جب پورے ہندوستان میں یہ دن منایا گیا تو نتیجتاً "بیت زنی کی سزا ختم کر دی گئی۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

۱۹۳۲ء میں تو احرار کا ساتھ نہیں دیا گیا مگر ۱۷ مئی ۱۹۴۶ء کو آل جموں و کشمیر کانفرنس ہوئی جس میں چوہدری غلام عباس نے کشمیر کی مکمل آزادی کی قرارداد منظور کرائی۔ مگر افسوس کہ اب تو وقت گزر چکا تھا اسی طرح شیخ عبداللہ کو لے لیں۔ وہ ۱۹۳۱ء احرار کی بیرونی مداخلت پر گرم تھے مگر ۱۹۳۸ء میں کانگریس کے زیر سایہ سیکولر خطوط پر نیشنل کانفرنس بنا کر بیرونی مداخلت کو قبول کرلیا اسی طرح ۱۹۳۱ء میں احرار نے آزاد اسمبلی کا مطالبہ کیا تو کشمیری لیڈر آڑے آگئے مگر ۱۹۳۸ء میں ۲۸ اگست کو کشمیری رہنماؤں بمعہ شیخ عبداللہ نے ایک جلسہ میں آزاد اسمبلی کا مطالبہ کر دیا۔ جلسے کے اختتام پر انہیں گرفتار کرلیا گیا اس پر ہڑتالیں ہوئیں اور تخریبی کارروائیاں ہوئیں پھر ۲ ستمبر کو آزادی کشمیر کی یہ تحریک سری نگر سے بارہ مولا، سوپور اور جموں وغیرہ تک پھیل گئی۔ اسمبلی کے مسلم ارکان نے واک آؤٹ کیا اور اعلان کیا کہ جب تک آزاد

اسمبلی کا قیام نہیں ہو تا ہم واپس نہیں آئیں گے۔ اس کے تین روز بعد چوہدری غلام عباس کو بھی گرفتار کرلیا گیا جبکہ سابق اسیروں کو چھ چھ ماہ کی قید کی سزا سنادی گئی۔ مگر افسوس کہ جب یہ تحریک کچھ زور پکڑنے لگی تو کشمیری رہنماؤں کے قدم پھر اکھڑ گئے اور ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو کشمیر وار کونسل نے (جو کشمیری لیڈروں کا اتحاد تھا) تحریک ختم کرنے کا اعلان کردیا۔

یہ کس مقام پہ سوجھی تجھے بچھڑنے کی

کہ اب تو جا کے کہیں دن سنورنے والے تھے

اور اس طرح سے امید کی یہ کرن بھی ختم ہوگئی۔ اس کے بعد یہ تحریک ۱۹۴۶ء میں اس وقت اٹھی جب کیبنٹ مشن ہندوستان میں اس کے مستقبل کا فیصلہ کررہا تھا۔ شیخ عبداللہ نے کیبنٹ مشن کی موجودگی میں مہاراجہ سے کہا کہ بیعہ نامہ امرتسر پر خط تنسیخ کھینچ کر کشمیر چھوڑ دو۔ شیخ عبداللہ کا یہ مطالبہ جب مہاراجہ کے محلات سے ٹکرا کر برطانوی حکومت کے ایوانوں میں جاگرا تو برطانوی سیاست کے تمام تار مضراب کی ایک ہی چوٹ سے جھنجھنا اٹھے اور جوابی طور پر ۲۰ مئی ۱۹۴۶ء کو شیخ عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا ڈھائی ماہ تک مقدمہ زیر سماعت رہنے کے بعد شیخ عبداللہ کو تین سال قید بامشقت اور ڈیڑھ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی اس کے بعد چوہدری غلام عباس نے جون ۱۹۴۶ء میں کشمیر کا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کیا اور ۱۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو ایک قرارداد کے ذریعے اس کا اعلان بھی کردیا۔ یہ ایک ایسی صورتحال تھی کہ اس میں مرزائیوں نے محسوس کیا کہ اب کشمیر آزاد ہونے لگا ہے چنانچہ انہوں نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کو آزادی کا اعلان کرکے کریڈٹ اپنے سر لینے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ اصل حکومت ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قائم ہوئی۔ سردار محمد ابراہیم اس کے صدر مقرر ہوئے۔ یہ صورتحال دیکھ کر مہاراجہ نے بھارت سے مدد مانگی جس پر بھارت نے یہ شرط عائد کی کہ کشمیر کا بھارت سے الحاق کروا جائے۔ مہاراجہ نے یہ شرط مان لی اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو بھارت نے سری نگر میں اپنی فوجیں داخل کردیں اس پر اکتوبر ۱۹۴۸ء میں پاک بھارت جنگ چھڑ گئی یہاں بھی مرزائی متحرک نظر آئے۔ وہ فرقان بٹالین بنا کر معرا جکے جا پہنچے۔ حیرت اس پر ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی جہاد کو ممنوع قرار دے چکا ہے مگر قادیانی اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے اور وہ بھی پرائیویٹ طور پر؟ بعض ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقان بٹالین کے ذریعے پاکستان کے اس وقت کے کمانڈر انچیف جنرل گریسی نے خفیہ پیغامات بھارت بھیجے تھے۔ بعد میں جب یہ مسئلہ اٹھا تو خاموشی سے یہ بٹالین توڑ دی گئی۔ ۱۹۴۸ء میں سلامتی کونسل نے یہ قرارداد منظور کی کہ استصواب مسئلے کا واحد حل ہے مگر وہ دن جائے اور یہ آئے اس پر عمل نہیں کیا گیا۔

۶۵ء کی جنگ اور مرزائی

یہ جنگ شروع ہی مرزائیوں نے کرائی تھی انہوں نے ایک طرف آزاد کشمیر میں پمفلٹ تقسیم کیا جس میں کہا گیا تھا۔

"ریاست جموں و کشمیر انشاء اللہ آزاد ہوگی اور اس کی فتح و نصرت احمدیت کے ہاتھوں ہوگی۔"

دوسری طرف ایوب خان پر دباؤ ڈالا گیا کہ کشمیر میں آپریشن کا یہ مناسب وقت ہے یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ایسا کبھی نہ ہوسکے گا۔ اس کے لئے سر ظفر اللہ قادیانی نے امریکہ میں ڈاکٹر جاوید اقبال سے کہا کہ وہ ایوب خان سے کشمیر پر حملہ کرنے کو کہیں۔ جب ڈاکٹر جاوید اقبال نے ایوب خان سے کہہ دیا تو ایوب خان نے ان سے کہا کہ "مجھ سے تو کہہ دیا ہے کسی اور سے نہ کہنا۔" اس کے علاوہ مرزائی جنرل میجر جنرل اختر حسین ملک بھی سرگرم تھا وہ نواب آف کالا باغ سے ملا اور ان سے کہا کہ آپ ایوب خان سے کہیں کہ کشمیر پر حملہ کردیں مگر نواب آف کالا باغ نہ مانے وہ مرزائیوں کی ان چالوں سے بخوبی واقف تھے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

"۱۹۶۵ء کی جنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہماری محافظت کی ورنہ صورتحال کے پامال ہونے کا اندیشہ تھا۔"

جب یہاں دال نہ گلی تو مرزائیوں نے ذوالفقار علی بھٹو اور عزیز احمد کو استعمال کیا اور خوب کیا، ایوب خان کو یقین دلایا گیا کہ بھارت پاکستان پر ہوائی حملہ نہیں کرے گا، چنانچہ اس دباؤ میں آکر ایوب خان نے منظوری دے دی۔

اور اختر حسین ملک کو منصوبہ بندی کا حکم دے دیا گیا حالانکہ بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ خان اس آپریشن کے سخت مخالف تھے۔ جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

"تیسری بات میں نے یہ کہی کہ مقبوضہ کشمیر میں گوریلا فورس بھیجنے کا یہ وقت ہرگز مناسب نہیں کیونکہ بڑے پیمانے پر گوریلا سرگرمی کے نتیجے میں کھلی جنگ چھڑجانا یقینی ہے۔"

(اردو ڈائجسٹ ستمبر ۱۹۸۶ء ص ۲۰)

جنرل موسیٰ نے اپنے خیالات لکھ کر ایوب خان کو بھیجے تو ایوب خان نے اس پر نوٹ لکھا۔

"میں تم سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔"

(ایضاً" ص ۲۲)

اور میں نہیں کہتا کہ ایوب خان پر دباؤ ڈالا گیا بلکہ خود جنرل موسیٰ کی زبانی سنئے۔

"میرا ذاتی تجربہ ہے کہ ایک ٹولے نے ایوب خان پر اسقدر دباؤ ڈالا کہ وہ یہ خطرہ مول لینے پر تیار ہوگئے۔"

(ایضاً" ص ۲۲)

یہ کون سا ٹولہ تھا اس بارے میں جنرل موسیٰ نے اگرچہ صراحت نہیں کی مگر ان کی ایک بات نے یہ گتھی سلجھادی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

"مسٹر بھٹو کے گھر پر فوجی افسر مدعو کئے جاتے، جنرل اختر حسین ملک مری سے آتے اور فوجی افسروں کی بریف واشنگ کرتے، میں نے ان ملاقاتوں پر سخت اعتراض کیا جس کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔"

(ایضاً" ص ۲۲)

بھٹو کو اقتدار درکار تھا اور مرزائیوں کو کشمیر، اس لئے دونوں ایک دوسرے کا تعاون کررہے تھے۔ جب آپریشن جبرالٹر شروع ہوا تو یہ بات طے پاچکی تھی کہ جنرل ملک دریائے توی تک کمان کریں گے۔ وہاں سے آگے جنرل یحییٰ کمان لے لیں گے اور جنرل ملک واپس آجائیں گے۔ جب یہ صورتحال سامنے آئی تو جنرل ملک کے غبارے سے ہوا نکل گئی اور اس نے قصداً "چھمب" پر قبضہ کرنے میں چار گھنٹوں کی تاخیر کی تاکہ بھارت کو سنبھلنے کا موقع مل جائے اور آپریشن ناکام ہوجائے کیونکہ کشمیر کی فتح کا ورنشارٹ جنرل یحییٰ خان کے ہاتھوں لگنے کا امکان تھا۔ اس سلسلے میں جنرل موسیٰ کہتے ہیں۔

"چھمب پر قبضہ کرنے میں چار گھنٹوں کی تاخیر ہوگئی، پہلے دن کوئی خبر نہ آئی، رات کو بھی کوئی سگنل موصول نہ ہوا، دوسرے دن صبح میں نے خود محاذ جنگ پر جانے کا فیصلہ کیا۔ کھاریاں میں مجھے اسٹیشن کمانڈر نے بتایا کہ جنرل ملک کا آپریشن اسٹاف آفیسر یہیں پر کام کررہا ہے شاید اس سے کوئی بات معلوم ہوجائے۔ میں وہاں گیا وہ بھی "قادیانی" تھا، میں نے کہا کیا ہورہا ہے، ڈویژن کمانڈر کہاں ہے اس نے کہا کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ پھر بڑی مشکل سے اختر حسین ملک دریافت ہوئے وہ آرٹلری ہیڈ کوارٹر میں تھے۔"

(ایضاً" ص ۲۳، ۲۴)

جنرل موسیٰ کے ان فرمودات کا ایک ایک جملہ بتا رہا ہے کہ "اختر حسین ملک نے قصداً "کھیل بگاڑا۔"

جب مری میں جنرل ملک ریہرسل کررہے تھے تو ایوب خان نے ان سے کہا۔ "آپ اکھنور کی طرف بھی کیوں نہیں جاتے۔" جنرل ملک نے جواب دیا۔ "اس پہلو پر بھی غور ہوسکتا ہے، لیکن اکھنور پر حملہ نہیں کیا گیا کیونکہ جبرالٹر فورس اس کے لئے تیار ہی نہیں کی گئی تھی۔"

(جنرل موسیٰ کی کتاب مائی ورشن سے اقتباس)

عسکری نقطہ نظر سے اکھنور بڑی حساس جگہ تھی اس پر قبضہ ہوجاتا تو بھارت کا دھڑن تختہ ہوجاتا۔ جب جنرل ایوب نے اس طرح توجہ دلائی تو اختر ملک نے کہا اس پر بھی غور ہوسکتا ہے۔ مگر ایسا نہیں کیا یعنی جنرل ایوب کو دھوکا دیا گیا۔ آخر کیوں؟ میں سمجھا ہوں کہ اگر کمان تبدیل ہونے کا مسئلہ نہ ہوتا تو جنرل ملک لازما "اکھنور کے لئے بھی منصوبہ بندی کرتے کیونکہ وہ بھارت کا ویک پوائنٹ تھا۔ جنرل ملک نے اسے اس لئے نظرانداز کیا کہ کریڈٹ جنرل یحییٰ کو ملتا کیونکہ جنرل ملک کو پتہ تھا کہ اکھنور پر حملہ کے لئے ساتواں ڈویژن استعمال ہوگا اس لئے انہوں نے چھمب پر قبضہ کرنے میں چار گھنٹوں کی تاخیر کی تاکہ بھارت چوکس ہوسکے اور بعد میں یحییٰ خان کو اکھنور پر قبضہ کرنے میں مشکل درپیش ہو اور ایسا ہی ہوا۔ جب اکھنور پر حملے کا مرحلہ آیا تو ایک طرف بھارت اس کے دفاع کے لئے تیار ہوچکا تھا دوسری طرف بھارت نے پاکستان پر حملہ کردیا چنانچہ اکھنور پر قبضہ و حملہ ترک کرکے ملکی دفاع پر توجہ مرکوز کی گئی جیسا کہ "مائی ورشن" میں جنرل موسیٰ لکھتے ہیں۔

"اکھنور کی فتح کے لئے چونکہ بھرپور طاقت کی ضرورت تھی جو ملکی سلامتی کے پیش نظر ہم اکھنور کے لئے استعمال نہیں کرسکتے تھے اس لئے اکھنور پر کیا جانے والا حملہ ملتوی کردیا

www.amtkn.com www.facebook.com/amtkn313 www.emaktaba.info

گیا۔"

جنرل اختر حسین ملک نے اپنے اسٹاف آفیسر سے رابطہ اسی لئے ختم کیا تھا کہ جی ایچ کیو الجھا رہے اور چونکہ اسٹاف آفیسر بھی بقول جنرل موسیٰ کے قادیانی تھا اس لئے اس نے بھی جی ایچ کیو کو اس دھماکہ خیز صورتحال سے آگاہ نہیں کیا حالانکہ یہ ملکی سلامتی کے نقطہ نظر سے ایک سنگین جرم تھا۔ اسے چاہئے تھا کہ وہ فی الفور جی ایچ کیو رپورٹ کرتا کہ اس کا رابطہ ڈویژن کمانڈر سے منقطع ہو گیا ہے 'مگر کیوں؟ وہ ایسا کیوں کرتا؟ یہ تو ایک سوچی سمجھی سازش تھی جس میں وہ اپنا کردار ادا کر رہا تھا' آیئے آپ کو جنرل موسیٰ کی مائی ورشن کے ایک اور صفحے کی سیر کراؤں تاکہ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ میں اپنی طرف سے گھڑ رہا ہوں۔

"چھمب کی طرف جاتے ہوئے میں نے اسٹاف آفیسر سے ملاقات کی۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ وہ تازہ ترین صورتحال کے بارے میں مجھے بریف نہیں کر سکتا' اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ اپنے ڈویژن کمانڈر کے ساتھ کئی گھنٹوں سے اس کا رابطہ منقطع ہو چکا ہے جب میں وہاں پہنچا تو اس نے مجھے دکھانے کی بیکار کوششیں شروع کر دیں کہ وہ اپنے ڈویژن کمانڈر سے رابطہ قائم کر رہا ہے۔"

یہ ہیں کشمیر میں جنرل ملک کے کرتوت 'جس کی یادگار قائم کرنے کے متعلق ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا۔

"لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک کی یادگار بنی چاہئے 'اگر یہ اب نہ ہوا تو جب پیپلز پارٹی برسر اقتدار آئے گی ان کی یادگار ضرور قائم کرے گی۔"

(پاکستان ٹائمز ۸ ستمبر ۱۹۶۷ء ص ۸ کالم نمبر ۱)

موجودہ تحریک اور مرزائی

تقریباً" ڈیڑھ صدی تک مطالبات سے جب مسئلہ کشمیر حل نہ ہوا تو تب کشمیری مسلمان نے کہیں سے یہ سبق پڑھ لیا۔

زور بازو آزما شکوہ نہ کر صیاد سے
آج تک کوئی قفس ٹوٹا نہیں فریاد سے

اور جب اس نے اس پر عمل شروع کر دیا تو آزادی کشمیر کے امکانات انتہائی واضح ہو گئے۔ اب جبکہ گزشتہ چار پانچ برس سے جنگ آزادی کشمیر نئے اور فیصلہ کن موڑ سے گزر رہی ہے تو وہ مرزائی جو ۱۹۶۵ء میں آزادی کشمیر کی خوشخبریاں سنا رہے تھے سخت پریشان ہیں کیونکہ وہ کشمیر کو اسرائیل بنانے کا خواب دیکھ رہے تھے جبکہ ہر صبح مشرق کی کوکھ سے جنم لینے والا سورج کشمیری مجاہدین کو نئی کامیابیوں کی نوید سنا کر مغرب کی لحد میں دفن ہوتا ہے اور یہ کامیابیاں درحقیقت ایک اسلامی معاشرے کا سنگ میل ہیں اور مرزائی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس جہاد کو سبوتاژ کرنے کی سازشوں میں مشغول ہیں ابھی بھارتی فوج وادی میں موجود ہے مگر کنٹرول مجاہدین کے ہاتھوں میں ہے۔ ہندوستانی اخبار انڈیا ٹوڈے کی رپورٹ ہے۔

"جغرافیائی طور پر اب بھی کشمیر ہندوستان کا ہے کیونکہ وادی کشمیر کے شمال میں لداخ جنوب میں جموں اور مغرب میں جنگ بندی لائن پر ہندوستان کی فوج ہے مگر اس کے درمیان جو علاقہ ہے وہ ہندوستان کا نہیں ہے کیونکہ۔۔۔ کشمیر کے ایک لاکھ چالیس ہزار ہندوؤں میں سے نوے ہزار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ چکے ہیں۔ مسجدوں سے ہدایات دی جا رہی ہیں کہ داڑھی لازمی ہے گھڑیوں پر پاکستانی وقت رکھنا ضروری ہے چھ ماہ سے بیوٹی پارلر اور سینما بند پڑے ہیں۔ اتوار کی جگہ جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔"

بھارتی فوج کی موجودگی میں مجاہدین کے کنٹرول اور اسلامی اقتدار کا یہ عالم ہے تو اس وقت کیا حال ہو گا جب بھارت کا بوریا بستر گول کر دیا جائے گا اسی لئے مرزائی اس جہاد کو ناکام کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مرزائی بھارتی فوج کے لئے مخبری و جاسوسی کرتے ہیں اور اب تک بہت سے مجاہدین کے ہاتھوں واصل جہنم بھی کئے جا چکے ہیں گزشتہ دنوں قادیان میں مرزائیوں کا جشن صد سالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا ورنہ یہ جشن تو اب سے چار سال قبل ہونا چاہئے تھا مگر مرزائی اسے تین سال کی تاخیر سے منعقد کر رہے تھے اور اس کے اثرات اس لئے کشمیر پر پڑنے ممکن تھے کہ قادیان' پٹھان کوٹ 'کشمیر سے ملحقہ علاقے ہیں اور یہاں مرزائیوں کا بڑا اثر ہے' مرزائیوں کو یہ بھی خطرہ ہے کہ اگر موجودہ جہاد کامیاب ہو گیا تو کشمیر تو ہاتھ سے جائے گا ہی جائے گا مگر ساتھ ہی ساتھ مرزائیت کا قادیان میں محفوظ رہنا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ بھارت کی سابق وزیراعظم اندرا گاندھی نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ۔

"ہم کشمیر سے دستبردار نہیں ہوں گے اگر کبھی ایسا کرنا بھی پڑا تو ہم اس کی یہ حالت کر دیں گے کہ سو سال تک یہاں کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکے گی۔"

اگرچہ اندرا گاندھی نہیں رہیں مگر بعد میں آنے والی ہر حکومت ان کے اس منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کر رہی ہے۔ کشمیر کے ان غاصب باغبانوں سے آج کشمیری نوجوان سوال کر رہا ہے۔

مجھے اے باغباں کیوں باغ کا مالک نہیں کہتا
سروں کو بیچ کر قیمت ادا کی ہے گلستاں کی

قارئین کرام یہ ہے مسئلہ کشمیر اور اس میں مرزائیوں کے ہتھکنڈوں کی نہایت اجمالی داستان' ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو چند صفحات کا نہیں بلکہ سینکڑوں اوراق کا متقاضی ہے اور وہ اوراق بھی جلد کا حصار نہیں جلدوں کی پناہ چاہتے ہیں۔

جبار کارپٹس
ڈیلرز
قائد آباد کارپٹ ● مون لائٹ ● بلال کارپٹ ●
لیونائیٹڈ کارپٹ ● ڈیکورا کارپٹ ● اولمپیا کارپٹ
مساجد کیلئے خاص رعائت
سم۔ این آر ایونیو نزد جیری پوسٹ آفس بلاک جی برکات حیدری نارتھ ناظم آباد فون: 6647656 - 6646888

تحریر: مولانا [illegible]

عظیم مذہبی رہنما، نڈر سیاسی قائد، بیباک عالم دین اور جنگِ آزادی کے نامور سپوت

حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

چاند کے مسئلہ پر حکومت کے فیصلہ کیخلاف حرم شریف میں تین زبانوں میں طوفانی تقریر کی تو سعودی حکومت کو اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا۔

تحریک آزادی اور تحریک ختم نبوت کے عظیم مجاہد ممتاز مذہبی و سیاسی رہنما مولانا غلام غوث ہزاروی اپنی بے لوث مذہبی، سیاسی و سماجی خدمات اور خاص کر حق گوئی و بے باکی کی بدولت ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مولانا ہزاروی کے پاس نہ تو شاہانہ تاج و تخت تھا اور نہ ہی لاؤ لشکر نہ جاگیردار تھے نہ سرمایہ دار۔ ان کا سرمایہ شان دار کردار اور بے داغ ماضی ہے۔ مولانا ہزاروی ۱۸۹۶ء میں ضلع مانسہرہ ہزارہ کے مشہور قصبہ بفہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں مڈل اسکول کے امتحان میں ضلع بھر میں اول آئے اور پھر ۱۹۱۸ء میں ازہر ہند دارالعلوم اسلامیہ دیوبند میں آخری سال کے امتحان میں بھی اول پوزیشن حاصل کی اور ایک سال تک دارالعلوم میں ہی مدرس رہے۔ ۱۹۲۰ء میں مولانا کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے دارالعلوم کی انتظامیہ نے آپ کو بحیثیت مفتی حیدر آباد دکن بھیج دیا۔ ۱۹۲۶ء میں ہزارہ وطن کے ممتاز علماء اور سیاسی زعماء کے اصرار پر اپنے وطن ہزارہ آ گئے۔

مجلس احرار

مولانا ہزاروی کی طبیعت پر دارالعلوم دیوبند کے حریت پسندانہ ماحول کا اتنا غالب اثر ہوا کہ چین سے بیٹھنا کبھی گوارہ نہ کیا۔ اکابرین دارالعلوم کی طرح مولانا ہزاروی کے دل و دماغ میں بھی سامراج دشمنی رچ بس گئی تھی وہ انگریز کے نہایت درجہ کے دشمن تھے اس لئے جب ۱۹۳۱ء میں مشہور سامراج دشمن جماعت مجلس احرار کی تشکیل ہوئی تو مولانا ہزاروی نے اس جماعت میں شامل ہو کر برصغیر کی آزادی کے لئے زبردست جدوجہد شروع کی۔ صوبہ سرحد اور بلوچستان کے چپے چپے پر جلسے منعقد کئے اور مختلف علاقوں کے دورے کر کے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو مجلس احرار کے پلیٹ فارم پر منظم کیا۔ مولانا کی اسی محنت اور انتھک کوششوں کے نتیجے میں مجلس احرار کے نئے مرکزی انتخابات میں مولانا ہزاروی کو آل انڈیا مجلس احرار کا نائب صدر چنا گیا اور دس نومبر ۱۹۴۵ء کی مشہور آل انڈیا احرار پولیٹیکل کانفرنس سیالکوٹ کی صدارت کے لئے بھی مولانا ہزاروی ہی کو منتخب کیا گیا۔ اس تاریخی کانفرنس میں مولانا نے جو صدارتی خطبہ دیا وہ وقت کی ضرورت اور سیاسیات ہند کا مکمل آئینہ تھا۔

جمعیت علماء اسلام کی نشاۃ ثانیہ

قیام پاکستان کے تقریباً ڈیڑھ سال بعد مجلس احرار کے مرکزی قائدین نے دل برداشتہ ہو کر سیاسیات سے دست بردار ہونے کا اعلان کیا تو مولانا ہزاروی نے ایسے وقت میں بھی حوصلہ بلند رکھا اور علماء کرام کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے کا عزم کر کے ملک بھر کا دورہ کیا۔

مولانا کا موقف تھا کہ اگر اس وقت علماء کرام سیاست میں حصہ نہیں لیں گے تو مسلمانوں کو فتنہ الحاد اور فتنہ قادیانیت سے بچا کر ملک میں اسلامی نظام کو نافذ کرنے کا موقع کبھی نہیں ملے گا۔ بالآخر مولانا کی مخلصانہ کوششیں بار آور ثابت ہوئیں اور ۱۹۵۶ء میں ملک بھر کے چیدہ چیدہ علماء کرام کا باران ملتان میں ایک زبردست اجتماع ہوا جس میں کل پاکستان جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور متفقہ طور پر شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری کو امیر اور مولانا ہزاروی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ مولانا ہزاروی نے گلی گلی کوچہ کوچہ پھر کر اس تحریک کو ایسا عوامی بنا دیا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں علماء کی یہ بے سروسامان جماعت ملک کی دوسری بڑی جماعت تسلیم کی گئی۔ یعنی موجودہ پاکستان میں سب سے زیادہ ووٹ پیپلز پارٹی نے حاصل کئے اور دوسرے نمبر پر جمعیت علماء اسلام تھی۔

ایم پی اے

۱۹۶۲ء میں مولانا ہزاروی نے اپنے ضلع سے صوبائی اسمبلی (مغربی پاکستان اسمبلی) کے الیکشن میں حصہ لیا۔ بڑے بڑے جاگیرداروں کو شکست دے کر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے اور اسمبلی میں اسلامی اصولوں کی سربلندی کے لئے اہم کردار ادا کیا۔

عائلی قوانین: خاص طور پر عائلی قوانین کے خلاف اسمبلی میں متفقہ قرارداد مولانا کی جرات مندانہ کاوشوں اور پارلیمانی مہارت کا نتیجہ تھی مذکورہ فیملی لاء اور خلاف شریعت آرڈی ننس کے خلاف مولانا نے دس منٹ کی ایک تاریخی اور موثر ترین تقریر فرمائی۔ قرآن و سنت اور فقہائے امت کی تصریحات کی روشنی میں عائلی قوانین کی بہت سی دفعات کو خلاف اسلام ثابت کیا۔ مولانا کی تقریر کا دوسرے ممبران پر یہ اثر ہوا کہ جب اسپیکر نے ووٹنگ کروائی تو مولانا کی تقریر کے حق میں پورے ہاؤس نے رائے دی اور صرف تین مغرب زدہ خواتین اور ایک مغرب زدہ مرد نے مولانا کے خلاف اور عائلی قانون کے حق میں ووٹ دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے مولانا ہزاروی کو کامیابی عطاء فرمائی اور حکومت کو یہ خلاف شریعت بل واپس لینا پڑا۔

ایم این اے

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں مولانا ہزاروی نے قومی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا اور بڑے بڑے جاگیرداروں کو شکست فاش دے کر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جب تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو منکرین ختم نبوت کے دونوں گروہوں پر سب سے زیادہ سوالات مولانا ہی نے کئے تھے اور جب مرزائیوں کی طرف سے اسمبلی میں محضر نامے پیش کئے گئے تو مولانا ہزاروی نے پیرانہ سالی اور بیماریوں کے ہجوم کے باوجود تمام مشاغل منسوخ کر کے ان محضر ناموں کا تحریری جواب دیا جو کہ دو سو اسی (۲۸۰) صفحات پر مشتمل تھا جو قومی اسمبلی میں آٹھ گھنٹے تک حرف بحرف سنایا گیا تو ممبران قومی اسمبلی نے محضر نامے کے اس جواب پر مولانا کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ اب یہ کتاب "جواب محضر نامہ" کے نام سے طبع ہو چکی ہے۔ یاد رہے کہ اس محضر نامے کی تیاری

میں حافظ محمد حنیف ندیم ایڈیٹر ختم نبوت اور مولانا عزیز الرحمان ہزاروی خلیفہ مجاز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے اہم کردار ادا کیا۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا ہزاروی اپنے اکابر کے سچے وارث تھے۔ انہوں نے شیخ الہند کی چھوڑی ہوئی کٹھن شاہراہ عمل کو اختیار کیا پھر اس راہ میں انہیں جن مصائب و آلام سے گزرنا پڑا وہ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں لیکن انہوں نے ہر قسم کی سیاسی مصلحتوں سے بے نیاز ہو کر حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور بڑی سے بڑی قربانی دے کر انہوں نے درحقیقت اکابر کے اس ورثے کی حفاظت فرمائی' حالات ہار گئے اور ہزاروی جیت گئے کہ وہ ناقابل شکست و ناقابل تسخیر تھے۔

۱۹۴۷ء کا واقعہ ہے کہ قادیانیوں نے اپنے مایہ ناز مناظر اللہ دتہ جالندھری کو وادی کاغان فتح کرنے کے لئے بھیجا ضلع مانسہرہ کے بڑے بڑے مرزائی خان بہادروں اور وکیلوں کی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ علاقہ کاغان کے معروف عالم دین قاضی محمد یونس نے مولانا ہزاروی کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا یہ وہ وقت تھا کہ مولانا کے اکلوتے نوجوان بیٹے زین العابدین کو موت کی ہچکیاں آرہی تھیں مولانا نے تھوڑی دیر حسب عادت غور کیا اور پھر فرمایا کہ آپ ٹھہریں میں گھر سے کتابیں لے کر آتا ہوں اور بالاکوٹ چلتے ہیں گھر جاکر کتابیں جو باندھنے لگے تو زین العابدین کی والدہ نے مقصد پوچھا تو مولانا نے فرمایا کہ میں بالاکوٹ جارہا ہوں (زین العابدین کی والدہ جو جوان اکلوتے بیٹے کی آخری ہچکیاں دیکھ کر غم سے نڈھال ہورہی تھیں) نے کہا کہ زین العابدین مررہا ہے اور آپ جارہے ہیں؟ تو مولانا نے فرمایا ہاں ادھر میرے بیٹے کے جنازے کی بات ہے جو فرض کفایہ ہے اور ادھر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایمان کا سوال ہے اور اگر ایک لاکھ زین العابدین بھی مرجائیں تو اتنا نقصان نہیں جتنا حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک فرد کے مرتد ہوجانے کا نقصان ہے یہ کہہ کر مولانا کتابیں اٹھا کر مرتے ہوئے اکلوتے بیٹے پر آخری نظر ڈالتے ہوئے گھر سے نکل کھڑے ہوئے بس اسٹاپ پر پہنچنے نہ پائے تھے کہ زین العابدین بھی چل بسا۔ مرتے ہوئے بیٹے کو چھوڑ کر گھر سے نکلنا بہت ہی مشکل ہے۔ لیکن جسے اللہ تعالیٰ توفیق دے چنانچہ مولانا بالاکوٹ پہنچے اور اللہ دتہ پہلے مناظرے میں ہی سخت اور لاجواب ہوگیا اور میدان مناظرہ سے بھاگ کر سیدھا قادیان پہنچ گیا۔

تحریک تحفظ ختم نبوت

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت کے ابتدائی مراحل میں ہی مجلس احرار کے اکثر رہنماؤں کو کراچی میں گرفتار کرلیا گیا بعد میں جن لوگوں نے اس تحریک کو آگے بڑھایا ان میں مولانا ہزاروی سرفہرست تھے اور تحریک کے اختتام تک حکومت مولانا کو گرفتار نہ کرسکی جبکہ مولانا کی گرفتاری کے لئے حکومت کی طرف سے ۱۰ ہزار روپے انعام مقرر کیا گیا تھا۔ مولانا غلام مصطفیٰ بہاولپوری جو ان دنوں لاہور میں بطور مبلغ کام کررہے تھے اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔ "ان ایام میں تنہا مولانا ہزاروی ہی تھے جو مسلسل اپنی ہدایات ہمیں مسجد وزیر خان میں بھجواتے تھے جن کی روشنی میں تحریک تحفظ ختم نبوت رواں دواں رہی۔"

۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت سے متعلق تحقیقاتی عدالتی رپورٹ جو "منیر انکوائری رپورٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ کے صفحہ نمبر ۸۰ پر سی آئی اے کی ایک رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ برکت علی محمڈن ہال لاہور میں تیرہ جولائی کے آل مسلم پارٹیز کنونشن کا دعوت نامہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے جاری کیا تھا۔ اس طرح تحریک کے کارکنوں قائدین کے بیانات اور سی آئی اے کی رپورٹوں سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ تحفظ ختم نبوت کی اس عظیم تحریک میں مولانا ہزاروی نے مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

حق گوئی و بے باکی

مولانا غلام غوث ہزاروی کی حق گوئی جرات و بیباکی کی داستانیں زبان زد خلائق ہیں ڈرنا' دبنا اور جھکنا تو انہیں آتا ہی نہ تھا۔ کچی بات بلا خوف لومۃ لائم کہنا ان کا شیوہ تھا۔ یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے مولانا حج ادا کرنے گئے تھے ماہ ذوالحجہ کا چاند بہت سے حاجیوں نے بدھ کی شام یعنی جمعرات کی شب کو دیکھا اس حساب سے یوم الحج بروز جمعہ ۹ ذوالحجہ کو ہوتا تھا لیکن سعودی حکومت کسی وجہ سے اعلان کر بیٹھی کہ یوم الحج بروز ہفتہ ہوگا کچھ لوگوں نے مولانا ہزاروی کو متوجہ کیا تو اس مرد قلندر نے حرم شریف میں نماز کے بعد کھڑے ہو کر عوام کو متوجہ کرکے پہلے عربی پھر اردو اور پھر پشتو میں ایک جوشیلی تقریر فرمائی جس کا خلاصہ کچھ یوں تھا۔ "اسلام کے ایام عبادت چاند دیکھنے پر مقرر ہیں کسی کیلنڈر جنتری یا کسی شاہی حکم کے ماتحت نہیں چونکہ عوام کی اکثریت نے جمعرات کی شب خود چاند دیکھا ہے اس لئے شرعی احکام کے مطابق میدان عرفات میں یوم الحج بروز جمعہ ہوگا۔ قافلے کی قیادت میں خود کروں گا جو جو مسلمان میرے ساتھ متفق ہیں وہ ہاتھ کھڑے کریں چونکہ تقریر تین زبانوں میں ہوئی تھی اس لئے حرم شریف کا مجمع مولانا کا ہمنوا بن گیا اس اعلان سے مکہ شریف کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہلچل مچ گئی تو حکومت نے رات گیارہ بجے دوبارہ اعلان کیا کہ حج بروز جمعہ ہوگا۔ مولانا کی اس جرات رندانہ پر ساری دنیا کے مسلمان شکر گزار ہوئے اور لاکھوں مسلمانوں نے حج جیسی عظیم عبادت کو وقت مقررہ پر ادا کیا۔

۱۹۶۳ء میں جب جامعہ ازہر مصر کے ہزار سالہ جشن پر موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں مولانا ہزاروی حکومت مصر کی دعوت پر شریک ہوئے تو وہاں ایک سوال یہ بھی تھا کہ جس طرح قرون اولیٰ میں اسلام کی اشاعت بہت تیزی سے ہوئی تھی اب کیوں رک گئی۔ اس پر ایک یورپ زدہ سوڈانی پروفیسر نے تقریر میں کہا کہ اسلام چونکہ نظام غلامی کو تسلیم کرتا ہے اس لئے لوگ اسلام سے رغبت نہیں رکھتے اس مرحلہ پر مولانا ہزاروی فوراً کھڑے ہوگئے اور صدر اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "جناب عالی! مجھے محترم مقرر کے اس نظریہ سے اختلاف ہے اس لئے اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے مجھے وقت دیا جائے۔" چنانچہ صدر اجلاس نے دوسرے دن کا وقت مخصوص کردیا۔ مولانا نے دوسرے دن اس مغرب زدہ لیکچرر کی تقریر کے پرخچے اڑا دیئے اس دورے سے واپسی پر کراچی میں ایک عظیم الشان استقبالیہ جلسے سے خطاب کرتے ہوئے علامہ بنوریؒ نے مولانا ہزاروی کی اس انقلابی تقریر پر زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ جب مولانا ہزاروی نے اس مغرب زدہ سوڈانی کی خبر لینی شروع کی تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس عالمی اجتماع میں دنیا بھر کے معروف اہل علم اور ممتاز مذہبی اسکالر موجود تھے۔ جنہوں نے مولانا کے فصیح و بلیغ عربی میں مدلل علمی خطاب پر زبردست خراج تحسین پیش کیا جبکہ مصر اور عالم اسلام کے معروف اخبارات و جرائد نے بھی مولانا کے خطاب کو سراہتے ہوئے جلی عنوانات سے شائع کیا۔

صحافت

مولانا غلام غوث ہزاروی جمعیت علماء اسلام کے ہفت روزہ آرگن "ترجمان اسلام" کے عرصہ دراز تک مدیر اعلیٰ رہے جس میں آپ کی نوک قلم سے بے شمار علمی و اصلاحی مضامین شائع ہوتے رہے جن میں خاص کر ① کالج میں ایمان ② اسلام اور غلامی ③ دفاع صحابہ ④ سامراجیت وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

قیدوبند

مولانا غلام غوث ہزاروی عظیم انسان تھے ایسے عظیم انسانوں کے لئے تاریخ کو مدتوں منتظر رہنا پڑتا ہے تب کہیں ایسے عظیم انسان وجود میں آتے ہیں۔ جو صرف عظمت ہی کے معیار پر پورے نہیں اترتے بلکہ ان کو دیکھ کر عظمت کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔ دنیا میں صاف گوئی بہت مشکل ہے لیکن مولانا ہزاروی جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار بھی کرتے تھے اسی حق گوئی کی پاداش میں تقریباً "چھ سال مختلف الزامات میں قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔

مزاج

مولانا ہزاروی ایک درویش صفت انسان تھے جرات و بے باکی میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے جس بات کو حق سمجھتے تھے برملا کہہ دیتے تھے اور جس بات کو ناحق سمجھتے تھے اس پر فوراً" ٹوک دیتے۔ طبیعت میں انتہاء پسندی تھی جس کی حمایت کرتے علی الاعلان اور جس کی مخالفت کرتے ببانگ دہل۔ لیکن ان کی محبت و نفرت محض اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوتی تھی۔

باقی صفحہ ۳۹ پر

شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ختم کرنے کے نتائج خطرناک ہوں گے۔

تذبذب کی کیفیت ختم کی جائے ــ ظہیر میر ایڈووکیٹ

۲۵ دسمبر ۱۹۹۲ء کے اخبارات میں جلی سرخی کے ساتھ صفحہ اول پر یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ..... "حکومت نے شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ کے فیصلے کو فی الحال واپس لے لیا ہے اور شناختی کارڈ کے ڈائریکٹر کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ شناختی کارڈ پرانے طریقے سے ہی جاری کرتے رہیں۔ اس خبر کے اگلے روز وفاقی وزیر مذہبی امور مولانا عبد الستار خاں نیازی کا بیان شائع ہوا ہے جس کے مطابق انہوں نے کہا ہے کہ وفاقی حکومت نے ابھی تک شناختی کارڈ میں مذہب کے اندراج کے بارے میں حتمی فیصلہ نہیں کیا۔ یہ فیصلہ آئندہ ایک دو روز میں عیسائیوں کے ایک اعلیٰ وفد کی وفاقی وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین سے ملاقات کے بعد کیا جائے گا۔ لہٰذا یہ بات غلط ہے کہ حکومت نے مذہب کا خانہ شناختی کارڈ میں ختم کردیا ہے۔ مولانا عبد الستار نیازی نے مزید کہا ہے کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کے اندراج کا مقصد صرف اور صرف قادیانیوں کو غیر مسلم ظاہر کرنا ہے یہ عیسائیوں یا دیگر اقلیتوں کے خلاف نہیں اور نہ ہی اس کا مقصد اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری ظاہر کرنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو لوگ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ جاہل اور پلید ہیں اور ملک و قوم کے وقار کو خاک میں ملانا چاہتے ہیں"۔

حکومت کے اس مذکورہ فیصلے پر شدید غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے جمعیت علماء اسلام پاکستان کے مرکزی امیر حافظ الحدیث والقرآن حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی مدظلہ، سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمن مدظلہ، حضرت مولانا محمد اجمل خان مدظلہ، حضرت مولانا محمد اجمل قادری مدظلہ، سینیٹر حافظ حسین احمد اور مولانا فداء الرحمن درخواستی مدظلہ نے کہا ہے کہ حکومت نے مذہبی جماعتوں کے ساتھ طے شدہ فارمولے سے انحراف کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے مذہبی جماعتوں کی جانب سے ملک گیر تحریک چلائے جانے کے اعلان سے گھبرا کر وقتی فیصلہ کیا تھا۔ لیکن حکومت کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ اب بھی مذہبی جماعتیں اس فیصلے سے انحراف کے خلاف بھرپور اور ملک گیر تحریک چلائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے "کرسمس" کے موقع پر امریکہ اور یورپ کو خوش کرنے اور ان سے چند ٹکڑوں کی بھیک کی خاطر طے شدہ فیصلے سے انحراف کیا ہے اور بنیاد پرستی سے مکمل بے زاری کا اعلان کیا ہے لیکن یہ اعلان حکومت کو مہنگا پڑے گا۔

جہاں تک شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا تعلق ہے اس بارے میں ہم خدام الدین کے ادارتی کالموں میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ ان کالموں میں ہم نے پہلے بھی یہ حقیقت بیان کی تھی کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کی تکلیف سوائے قادیانیوں کے کسی دوسری اقلیت کو نہیں۔ لیکن قادیانی خود سامنے آنے کی بجائے بعض اقلیتوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ کیونکہ قادیانیوں نے پاکستان کی قومی اسمبلی کے فیصلے کو ابھی تک عملاً تسلیم نہیں کیا اور وہ دھوکہ دے کر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اس طرح بہت سے قادیانی اسلامی ممالک میں پہنچ چکے ہیں جن میں کئی ایک پکڑے بھی گئے تھے اور حکومت سعودیہ نے باقاعدہ اس پر احتجاج بھی کیا تھا۔ حکومت پاکستان نے مسلمانوں کے اس جائز مطالبہ کو بروقت تسلیم کرلیا تھا اور وفاقی وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے گذشتہ دنوں دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا فیصلہ ہوچکا ہے اور اسے کسی قیمت پر واپس نہیں لیا جائے گا۔ لیکن حکومت کے حالیہ اعلان سے مذہبی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ایوان اقتدار میں بعض ایسے عاقبت نااندیش حضرات موجود ہیں جو حکومت کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ ہم ان کالموں کے ذریعہ دوٹوک اور واضح طور پر یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ختم کرنے کے نتائج انتہائی خطرناک ہوں گے۔ اس سلسلہ میں مولانا عبد الستار نیازی کی وضاحت بھی ناکافی معلوم ہوتی ہے اور ان کا یہ کہنا کہ حکومت نے شناختی کارڈ میں مذہب کے خانہ کا ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ جب حکومت ایک دفعہ مذہبی جماعتوں کے نمائندوں کے ساتھ واضح فارمولا طے کرچکی ہے تو حکومت کو اپنے کئے کا پاس کرنا چاہئے۔ یا دوٹوک اعلان کرنا چاہئے کہ حکومت اس معاملہ میں کیا کرنا چاہتی ہے؟ تذبذب کی کیفیت کو جتنی جلدی ختم کیا جائے حکومت کے لئے بہتر ہوگا۔ بصورت دیگر یہ سودا مہنگا ثابت ہو سکتا ہے۔ مسلمانان وطن جنہوں نے مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانے کے لئے بیش بہا قربانیاں دی تھیں وہ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزید قربانی بھی دے سکتے ہیں۔ حکومت کو اس سلسلہ میں ہوش کے ناخن لینا چاہئیں۔ اس معاملہ میں ذرا سی کوتاہی اور سستی خطرناک نتائج پیدا کرسکتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

آخر! شاعرِ انقلاب مرزا غلام نبی جانبازؒ بھی اپنے قائدین اور ساتھیوں سے جا ملے

تحریر: محمد اورنگ زیب اعوان

اجل اس مرد حق کو بھی لے گئی یا رب
حقیقت کا جسے سمجھا بناکر ترجماں تو نے

تحریک آزادی کے رہنما، تحریک ختم نبوت کے عظیم مجاہد امیر شریعتؒ کے دیرینہ رفیق اور مجلس احرار کے انقلابی شاعر مرزا غلام نبی جانباز طویل علالت کے بعد ۱۸ نومبر بروز جمعرات ۸۰ برس کی عمر میں انتقال کرگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرزا غلام نبی جانباز کی ساری زندگی پیہم جدوجہد سے عبارت تھی۔ مرحوم نے اوائل عمری میں مجلس احرار اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ انہوں نے برصغیر پاک وہند کی سیاسیات میں اس وقت حصہ لیا۔ جب برطانوی سامراج کی حکومت کا سورج نصف النہار پر تھا۔ اور سیاست کا صلہ آہنی زنجیریں تھیں۔ جانباز مرحوم نے اپنی زندگی کے قیمتی دس برس جیل کی کال کوٹھریوں کی نذر کئے۔ اور قید وبند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ مرحوم نے مصائب وآلام کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ مرزا صاحب نے ایک کارکن کی حیثیت سے احرار سے وابستگی اختیار کی۔

[illegible]

ہمارا نصب العین اسلام کی سربلندی' عقیدہ ختم نبوت و ناموس رسالتؐ کا تحفظ
اور گستاخ رسول فتنہ قادیانیت کا پرزور تعاقب

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی قائدین کی تمام دردمندان اسلام اور شمع ختم نبوت کے پروانوں سے

اپیل

الحمدللہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' اپنے یوم تاسیس سے لے کر اب تک اسلام کی سربلندی' عقیدہ ختم نبوت اور ناموس رسالتؐ کے تحفظ کے ساتھ ساتھ

گستاخ رسولؐ فتنہ قادیانیت کا پرزور تعاقب کر رہی ہے

○ عالمی مجلس کے راہنماؤں اور مبلغین کی کوششوں سے اب تک ہزارہا افراد قادیانیت سے تائب ہو چکے ہیں۔ صرف ایک افریقی ملک "مالی" میں ۳۰ ر ۳۵ ہزار افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ○ جماعتی لٹریچر جو متعدد زبانوں میں شائع ہو چکا ہے (اور مزید زبانوں میں شائع کرنے کی کوششیں جاری ہیں) اس کے اور جماعتی مبلغین کے ذریعے پوری دنیا قادیانیت کے دجل و فریب سے آگاہ ہو چکی ہے ○ تبلیغی نظام کافی وسیع ہو چکا ہے۔ متعدد بیرونی ملکوں میں جماعتی شاخوں کے علاوہ دفاتر' قرآنی تعلیم کے لئے مکاتب قائم ہو چکے ہیں۔ اندرون ملک ۵۰ سے زائد ہمہ وقتی مبلغ' ۱۰ دینی مدارس قائم ہیں' مدارس میں بیرونی طلباء کے اخراجات عالمی مجلس آپ حضرات کے دیئے ہوئے عطیات سے پورا کرتی ہے۔ ○ جماعت کے دو ہفتہ وار رسالے قادیانیت کے پرزور تعاقب میں مصروف ہیں۔ امسال عالمی مجلس نے ایک عظیم الشان منصوبہ پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کام شروع کیا ہوا ہے اور وہ ہے روس کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے والی ریاستوں اور کمیونسٹوں کے جبر و تشدد سے نجات حاصل کرنے والے لاکھوں مسلمانوں میں قرآن مجید پہنچانا۔

یہ آزاد ریاستیں

کسی زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہی ہیں۔ امام بخاریؒ' امام مسلمؒ' امام ترمذیؒ' امام برہان الدین فرغانیؒ' صاحب ہدایہ' امام ابو حفص کبیرؒ' امام ابو اللیث سمرقندیؒ اور امام ابو منصور ماتریدیؒ اسی سرزمین سے اٹھے جن کے علمی فیضان سے پورا عالم اسلام مستفید ہوا لیکن ان مسلم ریاستوں پر روس کے ظالمانہ و جابرانہ تسلط نے عالم اسلام کی ان مایہ ناز ریاستوں کو بنجر بنا کر رکھ دیا۔ آج وہ سرزمین قرآنی تعلیم کی پیاسی اور ادر وہاں کے مسلمان ہم سے قرآن مجید کے طالب ہیں۔ ایسے میں عالمی مجلس کے وفد نے وہاں کا دورہ کرنے کے بعد ۱۰ لاکھ قرآن مجید جماعت کی طرف سے چھپوا کر وہاں پہنچانے کا فیصلہ کیا جو الحمدللہ آپ کی دعاؤں سے زیر طبع ہے اس وقت ہزاروں قرآن مجید وہاں پہنچا بھی دیئے ہیں۔

ان تمام منصوبہ جات خاص طور پر وسطی ایشیا کی ریاستوں میں قرآن مجید پہنچانے کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے عالمی مجلس کو آپ کے تعاون کی اشد ضرورت ہے

ہم تمام اہل اسلام اور شمع ختم نبوت کے پروانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ

وہ موجودہ مہینوں خصوصاً" رمضان المبارک میں مذکورہ منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنی زکوٰۃ' صدقات' خیرات اور خاص طور پر عطیات سے دل کھول کر امداد فرمائیں۔

فقیر خان محمد
امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

محمد یوسف لدھیانوی
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

عزیز الرحمٰن جالندھری
مرکزی ناظم اعلیٰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

ترسیل زر کا پتہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت' حضوری باغ روڈ ملتان پاکستان۔ فون:۔ ۴۰۹۷۸

کراچی کا پتہ

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی۔ فون ۷۷۸۰۳۳۷

نوٹ:۔ کراچی کے احباب الائیڈ بنک بنوری ٹاؤن اکاؤنٹ نمبر ۳۶۲ میں براہ راست رقم جمع کر کے دفتر کو اطلاع دیں۔

نامردی کا یقین

بخدمت اخویم مخدوم مکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

ا۔ جس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی ہو۔ جبکہ میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں (پھر شادی کس بھروسے سے کی۔ اول صحت درست کرنا لازم تھا ورنہ فتنہ کا اندیشہ تھا۔ للمولف برنی) آخر میں نے صبر کیا (آپ سے زیادہ صبر آپ کی اہلیہ صاحبہ پر لازم ہوا۔ پھر بھی معلوم ہوا کہ اولاد شادی کے بعد جلد شروع ہو گئی۔ للمولف برنی) اور اللہ تعالیٰ پر امید اور دعا کرتا رہا سو اللہ جل شانہ نے اس دعاء کو قبول فرمایا اور ضعف قلب تو اب بھی اس قدر ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔

(خاکسار غلام احمد قادیانی ۲۲ فروری ۱۸۸۷ء)

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم خط نمبر ۳۔ منقول از نوشتہ غیب مولفہ خالد وزیر آبادی)

۲۔ ایک میرے دوست سامانہ پٹیالہ میں ہیں جن کا نام مرزا محمد یوسف ہے انہوں نے کئی مرتبہ ایک معجون بنا کر بھیجی ہے جس میں کچلہ بھی داخل ہوتا ہے۔ وہ معجون میرے تجربہ میں آیا ہے کہ اعصاب کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ اور امراض رعشہ، فالج اور تقویت دماغ اور قوت باہ اور نیز تقویت معدہ کے لئے فائدہ مند ہے۔ مدت سے میرے استعمال میں ہے۔ قرین مصلحت سمجھیں تو میں کسی قدر جو میرے پاس ہے بھیج دوں۔

خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان۔ ۲۳ جنوری ۱۸۸۸ء

(مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم، خط نمبر ۳۵۔ منقول از نوشتہ غیب مولفہ خالد وزیر آبادی)۔

بقیہ: مولانا غلام نبی جانباز رح

مرزا غلام نبی جانباز کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ احرار میں شامل ہونے کے بعد پہلی سانس سے لے کر آخری سانس تک احراری رہے۔ گو ان کی زندگی نے ان کے ساتھ وفانہ کی۔ لیکن مرحوم نے احرار سے بے وفائی نہ کی۔ وہ مسٹر دولتانہ کے بقول Ahrary Is always Aharary (Once) "ایک دفعہ کا احراری ہمیشہ کا احراری رہتا ہے" کے مصداق تھے۔

مرزا غلام نبی جانباز نے ایک غریب گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ انہوں نے ابھی بچپن سے لڑکپن کی وادی میں قدم رکھا تھا کہ تحریک آزادی سے وابستہ ہو گئے۔ جلیانوالہ باغ کے واقعہ نے اس قدر متاثر کیا کہ برطانوی سامراج کی نفرت ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی۔ اسی تاریخی واقعہ کے بعد جانباز مرزا نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا۔ اس وقت مرحوم کی عمر گیارہ برس تھی۔ مرزا غلام نبی جانباز نے اپنی غربت، عسرت اور تنگدستی کے باوجود تحریک آزادی کے سفر میں قابل قدر کردار ادا کیا۔ ان کے بازو توڑ دیئے گئے، طرح طرح کے ظلم و ستم اور تشدد ان سے روا رکھا گیا۔ لیکن جانباز کے پائے ثبات میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔ اور وہ دار و رسن کی آزمائشوں میں سرخرو ہو کر نکلتے رہے۔

دار و رسن کی گود کے پالے ہوئے ہیں ہم
سانچے میں مشکلات کے ڈھالے ہوئے ہیں ہم
زنداں کے در و بام میں دیرینہ شناسا
پہنچے ہیں سر دار تو گھبرائے نہیں ہیں ہم

دار و رسن کی آزمائشوں نے انہیں نیا حوصلہ دیا۔ قید و بند کے مرحلوں نے توانائی بخشی۔ زندگی کے نشیب و فراز نے جینے کے ڈھنگ سکھائے۔ جانباز مرزا ہر امتحان، آزمائش، اور ابتلا میں کامیاب و کامران ہو کر نکلے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جانبازی ان کا پیشہ تھا۔ اور سرفروشی ان کا مشغلہ۔

تحریک آزادی کے سفر میں مرزا غلام نبی جانباز کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق، شیخ حسام الدین، آغا شورش کاشمیری جیسی نابغہ روزگار شخصیتوں سے فیض حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ مجلس احرار اسلام کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ شعلہ بار خطیبوں، انقلابی شاعروں اور پرجوش کارکنوں کی جماعت تھی۔ تحریر کے محاذ پر اس کمی کو پورا کرنے والے صرف دو نام ہی تاریخ میں نظر آتے ہیں۔ ایک چوہدری افضل حق اور دوسرے آغا شورش کاشمیری..... مرزا غلام نبی جانباز نے محدود وسائل کے باوجود تقریباً دو درجن کتابیں تصنیف کیں۔ جس میں صرف آٹھ جلدیں کاروان احرار سے متعلق ہیں۔ کاروان احرار میں برصغیر پاک و ہند کی پوری تاریخ کو محفوظ کر کے مرزا جانباز نے آنے والی نسلوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ مرزا غلام نبی جانباز کی معروف تصانیف میں "حیات امیر شریعت" "تحریک ختم نبوت کا آخری باب" "انگریز کے باغی مسلمان" "صور اسرافیل" "مرزائیت عدالت کے کٹہرے میں" "جذبہ ہے ذوق جرم" "مقدمات امیر شریعت" شہرت کی حامل ہیں۔ مرزا جانباز لاہور سے ہفت روزہ "تبصرہ" باقاعدگی سے شائع کرتے رہے۔ مرحوم کی قلمی خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے۔ وہ مشکل سے پر ہو گا۔

مرزا غلام نبی جانباز طویل عرصہ سے بیمار تھے۔ اسی علالت کے باوجود انہوں نے بستر مرگ پر لیٹے لیٹے "پاکستان بننے کے بعد" قلم بند کرائی۔ موت برحق ہے۔ اس کا وقت اور دن متعین ہے۔ مرزا غلام نبی جانباز کے دیرینہ جماعتی رفیق مولانا محمد شریف احراری نے مسلسل تین ماہ اپنے جانی جگری دوست کی خدمت کی۔ مولانا نے ایک ملاقات میں بتایا کہ آخری "وقت" جانباز مرزا نے قرآن مجید سننے کی فرمائش کی۔ مولانا نے انہیں کلام پاک کی چند آیات سنائیں۔ تو مرحوم نے اصرار کیا۔ کہ مجھے احراری لہجہ میں قرآن سناؤ۔ تلاوت کے بعد جانباز مرزا نے فرمائش کی کہ میری مشہور نظم۔

خون احرار سے جلتا ہے محمد کا چراغ

سنائی جائے۔ چنانچہ مولانا محمد شریف احرار نے انہیں مرحوم کی یادگار نظم سنائی۔ تھوڑی دیر جانباز مرزا نے کلمہ شہادت کا ورد شروع کر دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ان کی زبان خاموش ہو گئی۔ چند لمحے بعد لوگوں کو انقلابی نظمیں سنا کر تڑپانے والا خود اپنی نظم سنتے ہوئے اپنے خالق حقیقی کے پاس جا پہنچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلام ما برسانید ہر کجا ہستند
بہ آں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

بقیہ: مولانا غلام غوث ہزاروی رح

بیعت

مولانا ہزاروی سلسلہ نقشبندیہ اور دیگر سلاسل طریقت کے بزرگان دین سے والہانہ محبت اور گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سلسلہ تصوف میں خانقاہ عالیہ سراجیہ کندیاں شریف کے معروف بزرگ حضرت مولانا محمد عبداللہ قدس سرہ سے بیعت تھے اور ممتاز فیض یافتہ علماء میں خاص مقام پر فائز تھے۔

وفات

ہر شخص نے ایک نہ ایک دن اس دار فانی سے جانا ہے مگر مولانا ہزاروی اس شان سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے کہ اسی کے ذکر میں مشغول تھے کہ بلاوا آ گیا۔ تین اور چار فروری ۱۹۸۱ء کی درمیانی شب اپنے اہل و عیال سے فرمایا کہ میں آپ سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور پھر کلمہ طیبہ کا ورد شروع کیا۔ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے کرتے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ○

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

بقیہ: قادیانیوں کا سالانہ جلسہ

کر سکتے ہیں یا بھارت سرکار سے قادیان کی واپسی کا وعدہ لے کر پاکستان میں بھارت کا ففتھ کالم بننے کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں ہمارے نزدیک مرزائیوں کی یہ ذہنیت و کیفیت اس قابل نہیں کہ اسے سرسری طور پر نظر انداز کر دیا جائے ان کے دینی مرکز کی یہ ضعیف اور ان کا خود پاکستان میں رہنا ایسی کیفیات ہیں جو انہیں ہمیشہ پاکستان کا وفادار شہری بننے سے روکتی رہیں گی اور پاکستان کے متعلق ان کی مخصوص ذہنیت ہمیشہ انہیں پاکستان کے متعلق سیاسی منافقت کی روش جاری رکھنے پر آمادہ کرتی رہے گی۔

(پاکستان میں مرزائیت ص ۲۹، ۳۰، ۳۱ مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش)

قادیانی جماعت کے رہنما اپنے مرکز قادیان کی بازیابی کے لئے کیا پاپڑ بیلتے رہے۔ اس کا اندازہ آغا شورش کاشمیری کی اس تحریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

پچھلے دنوں چوہدری ظفر اللہ خان امریکہ میں بعض خاص عناصر سے گٹھ جوڑ کرکے یہ تجویز لائے تھے کہ روم کے پاپائے اعظم کی ریاست ویٹیکن کی طرح سکھوں کو ڈیرہ بابا نانک دے دیا جائے اور ان سے قادیان اس طرح حاصل کیا جائے ریاست اندر ریاست یعنی دونوں جگہ سکھوں اور احمدیوں کی سربراہی ہو اور ان کے سردار اور خلیفہ کو وہی اختیارات حاصل ہوں جو پوپ کو ویٹیکن پر حاصل ہیں یعنی اطالوی سلطنت کو ویٹیکن پر کوئی اختیار نہیں۔ اس کی حیثیت ایک مقدس شہری ہے اور اس کا داخلی نظم و نسق پوپ کے پاس ہے اور وہی اس کے مقتدر اعلیٰ ہیں۔

ہماری اطلاع کے مطابق ظفر اللہ خان نے جس شخصیت کے سامنے یہ تجویز پیش کی اس نے ٹھکرا دی اور ظفر اللہ خان سے کہا کہ اس پر غور بھی نہیں ہوسکتا ہے۔"

ان تاریخی شواہد کے بعد مرزا طاہر احمد کے حالیہ دعووں کی حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے۔ مرزا صاحب اقوام عالم کے خلیفہ ہونے کا دعویٰ کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی خبر لیں۔ کیونکہ ان کی جماعت میں ایک ایسا گروپ بھی موجود ہے جو ان کی نام نہاد اور عوض دھاندلی کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام اور پاکستان دشمنی کی بنیاد پر قادیانی جماعت کے سربراہ کے یہودیوں، ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ گہرے تعلقات ہیں۔ قادیانی ریاست کا قیام اور حصول قادیان قادیانیوں کے عقائد و عزائم کا مرکز اور محور ہے اور مرزا طاہر کی حالیہ تقریر کے دعوے ان کے ناپاک ارادوں اور مذموم عزائم کی عکاسی کرتے ہیں۔

بقیہ: کیا آپ نے سنا ہے!

میں قادیانیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم قرار دیا تو ڈاکٹر عبد السلام قادیانی یہ کہہ کر ملک سے فرار ہوگئے کہ میں اس لعنتی ملک میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ لیکن مملکت خداداد کو رب کعبہ نے اس سے کئی درجہ بہتر صلاحیتوں کا پیکر ڈاکٹر عبد القدیر دے دیا جو گروہ آقائے نامدار، فخر موجودات حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا دعویٰ دار ہو اس لعنتی گروہ سے تعلقات رکھنا کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے پاس ایسے بیسیوں ثبوت موجود ہیں کہ یہ گروہ اسلام اور پاکستان کا حقیقی دشمن ہے۔"

ڈاکٹر دین محمد فریدی نے ۱۸ ستمبر ۱۹۹۰ء کے جنگ کی خبر کا تراشہ دکھایا جس میں پاکستان میں شمسی توانائی کے منصوبے کو ناکام بنانے کی سازش کا انکشاف کیا گیا تھا کہ شمسی توانائی کوئٹہ پلانٹ میں سولر سیلوں اور وولٹک سیلوں کی تیاری رک گئی ہے۔ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف سلیکون ٹیکنالوجی کے تمام آلات اور مشینیں تباہ ہوگئیں۔ مرکزی کردار ایک خاتون سائنس دان لبنیٰ اعجاز اور ایک ہندو تاجر نے ادا کیا۔ اس بات کا انکشاف اسلام آباد میں ایٹمی شمسی توانائی کمیشن کے سائنس دانوں کے ایک اجتماع میں اس وقت ہوا جب ایک وزیر مملکت کی موجودگی میں پاکستان کے ایک ممتاز سائنس دان نے اس اسکینڈل کا ایک واضح اشارہ دیا۔ اسلام آباد میں وزیر مملکت سردار آصف احمد علی کی صدارت میں پاکستان نیوکلیئر سوسائٹی کا اجلاس جاری تھا کہ ممتاز سائنس دان ڈاکٹر عتیق مفتی اپنی نشست پر کھڑے ہوگئے اور بڑے جذباتی لہجے میں کہا کہ ۸۴ کروڑ ڈالر کی اس سازش پر بھی غور کیا جائے جو سی آئی اے کے ایک لیٹر پر الیکٹرک کمپنی کو توانائی کے شعبے میں ایک ٹھیکہ دینے سے شروع ہوئی اور یہ سازش ایک ہندو نے ترتیب دی تھی۔ وفاقی وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کے سب سے زیادہ سینئر سائنس دان ڈاکٹر عتیق مفتی کے اس سوال پر اجلاس میں سناٹا چھا گیا۔ تاہم کسی نے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ بعد ازاں اس اہم سائنس دان سے نمائندہ جنگ نے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے کہا بہتر ہے کہ اس معاملے پر میری زبان مت کھلوائیے۔ میں نے ایک لفظ بھی آپ کو بتایا تو وہ مجھے قتل کردیں گے۔ مجھے منظر سے ہٹانے کے لئے مجھ پر پہلے ہی دو حملے کئے جاچکے ہیں۔

بقیہ: مومن کامل کے اوصاف

کرنا (۱۹) ماں و باپ کو آرام پہنچانا (۲۰) اولاد کی پرورش کرنا (۲۱) ناداروں سے بدسلوکی نہ کرنا (۲۲) آقا کی تابعداری کرنا (۲۳) مسلمانوں کی جماعت سے الگ کوئی طریقہ نہ نکالنا (۲۴) حاکم کی تابعداری کرنا مگر خلاف شرع بات میں نہ کرے (۲۵) لڑنے والوں میں صلح کرادینا (۲۶) نیک کاموں میں مدد دینا۔ (۲۷) نیک راہ بتلانا اور بری بات سے روکنا (۲۸) اگر حکومت ہو تو شرع کے موافق سزا دینا۔ (۲۹) اگر وقت آئے تو دین کے دشمنوں سے لڑنا (۳۰) امانت ادا کرنا (۳۱) ضرورت والے کو قرضہ دینا (۳۲) پڑوسی کی خاطر داری کرنا۔ (۳۳) آمدنی پاک لینا (۳۴) خرچ شرع کے موافق کرنا (۳۵) سلام کا جواب دینا (۳۶) اگر کوئی چھینک کر الحمد للہ کہے تو اس کو یرحمک اللہ کہنا (۳۷) کسی کو ناحق تکلیف نہ دینا (۳۸) خلاف شرع کھیل تماشوں سے بچنا (۳۹) راستہ سے ڈھیلا، پتھر، کانٹا، لکڑی وغیرہ تکلیف پہنچانے والی چیزوں کو ہٹادینا۔

بقیہ: قرآن ایک ابدی حقیقت

دنیا کا علم تو پڑھایا مگر قرآن نہیں پڑھایا۔ لڑکے نے خوب سینما دیکھے، فلمیں دیکھیں، خوب ڈانس کھیلے، خوب شرابیں پئیں۔ قیامت کے دن کہیں گے .... یا خدا! میرے والدین نے قرآن پاک نہ پڑھایا۔ دین کا علم نہ سکھایا کالج کا ہوسٹل کا دروازہ دکھایا۔ ایم۔ اے ہوں۔ لیکن قرآن پڑھنا نہیں آتا۔ نہ نماز آتی ہے، نہ دعائے قنوت اور نہ ہی التحیات ۔یا اللہ! میرے والدین کو دگنا عذاب دے۔ جب تم چارپائی پر لیٹے پڑو گے تو ایک فرشتہ آئے گا جو تیرے منہ پر تھپڑ مارے گا تو پھر قرآن مجید کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

بقیہ: اللہ کے راستے میں خرچ کے فائدے

سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہی جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے قبل نازل کی گئیں اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں یہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں اپنے رب کی جانب سے اور یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ (البقرہ ع ۱)

"اللہ جل شانہ اس سے قیامت کے دن کی ہیبت کو زائل کرتا ہے اور جو شخص کسی مشکل میں پھنسے ہوئے کو سہولت پہنچاتا ہے اللہ جل شانہ اس کو دنیا اور آخرت کی سہولت عطا فرماتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کو دنیا میں پردہ پوشی کرتا ہے اللہ جل شانہ دنیا اور آخرت میں پردہ پوشی کرتا ہے"۔

ایک حدیث میں ہے "جو شخص میری امت سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے تاکہ اس کو خوشی ہو اس نے مجھ کو خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جو شخص حق تعالیٰ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنت میں داخل فرمادیتا ہے"۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد نبویؐ ہے کہ "جو شخص کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کے لئے تہتر درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں جن میں سے ایک درجہ سے تو اس کی درستگی ہوتی ہے یعنی لغزشوں کا بدلہ ہوجاتا ہے باقی درجے رفع درجات کا باعث ہوتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر کتنا فضل و احسان ہے کہ وہ اپنے بندہ کو تھوڑی سی کوشش پر اس قدر بڑے انعام سے نواز رہے ہیں۔

ایک جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے" (مشکوٰۃ)

یہ ایک مشہور حدیث ہے علماء نے لکھا ہے کہ جیسے آدمی اپنے عیال کی روزی مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اپنی ساری مخلوق کے ساتھ ہے۔ اسی لحاظ سے ان کو اللہ کا عیال بتایا گیا ہے (مقاصد حسنہ) اور اس صفت میں مسلمانوں کی بھی خصوصیت نہیں ہے۔

مسلمان کافر سب شریک ہیں بلکہ سارے حیوانات اس میں داخل ہیں کہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے عیال ہیں جو سب کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے والا ہوگا وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم بجالانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

KHATIME NUBUWWAT (AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)
Registered No. M-160

ARFI JEWELLERS

FOR CREATION OF ATTRACTIVE
JEWELLERY

ممتاز زیورات — منفرد ڈیزائن

اعلیٰ قسم کے زیورات بنوانے کیلئے ہمارے ہاں تشریف لائیے

A Perfect Setting for a perfect Woman
Where trust is a Tradition.

Muhammadi Shopping Centre, Haidary, Karachi, Pakistan
Phones: 6645236,
Fax: 92-21-6643066

IMPORTERS & EXPORTERS